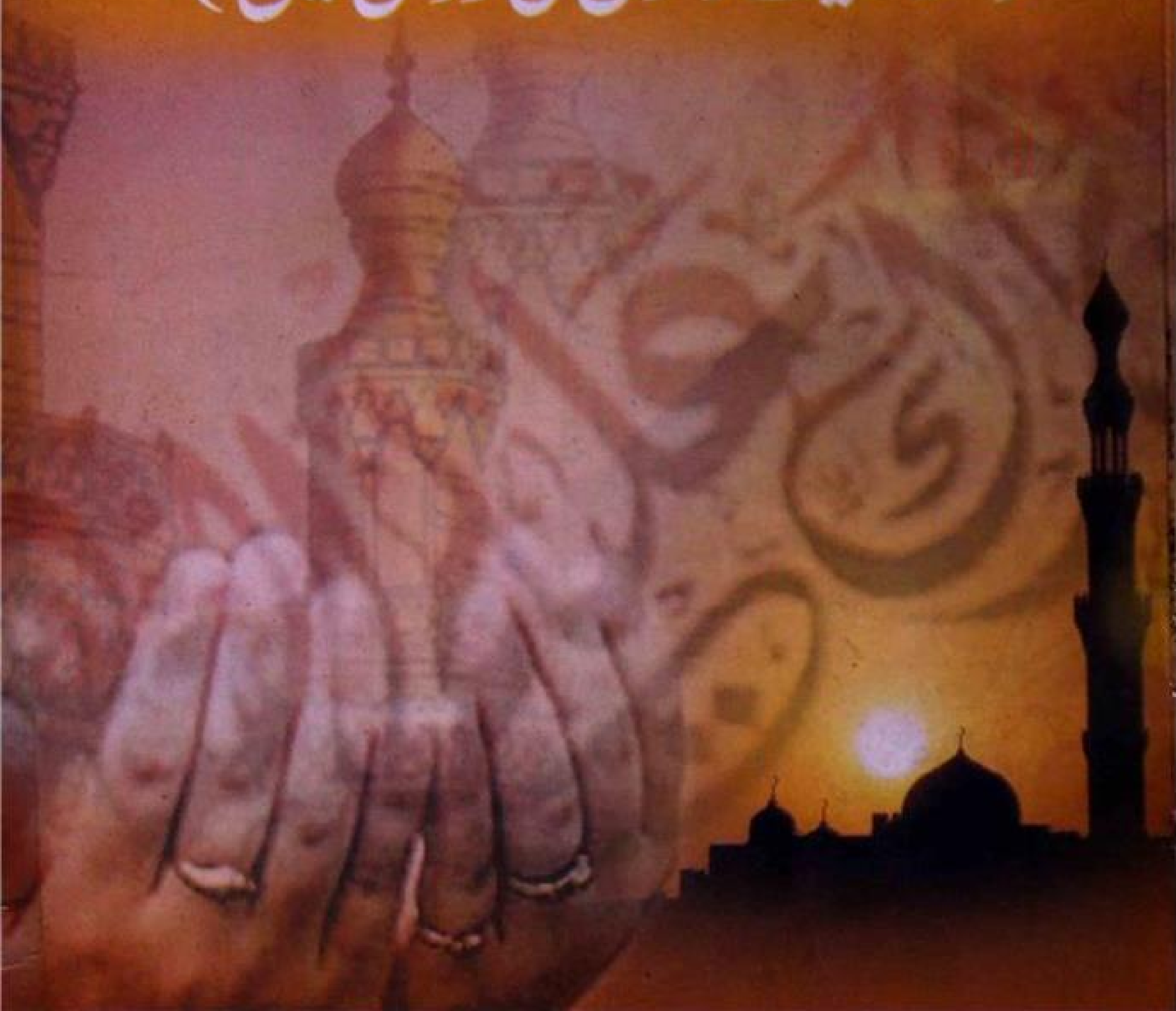
ینَ اٰمنوُ اکُتِبَ عَلَیُکمُ الصِّیَامُ

رمضان المبارک

(احادیث رسولؐ کی روشنی میں)



يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ

رمضان المبارک

(احادیث رسولؐ کی روشنی میں)

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

مرتبہ
حفیظ الرحمٰن احسن

مکتبہ الحسنات (دہلی)
Unit of: Al Hasanat Books Pvt. Ltd.

RAMZAN-UL-MUBARAK

(SAYYAD ABUL ALA MAUDOODI)

ISBN 81-85729-76-X

ایڈیشن 2006

ناشر۔

عبد المالک فہیم

الحسنات بکس پرائیویٹ لمیٹڈ

2241، کوچہ چیلان، دریا گنج۔ نئی دہلی-110002

فون۔ 23271845 فون وفیکس 011-41563256

E-mail: alhasanatbooks@rediffmail.com
faisalfaheem@rediffmail.com

قیمت
20/- روپے

Printed at:
Anis Offset Printers
Darya Ganj Dehli-2

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

جناب حفیظ الرحمٰن صاحب نے ۱۹۶۷ء میں ہفت روزہ "آئین" لاہور میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے ہفتہ وار درسِ حدیث کو مرتب کر کے شائع کرنا شروع کیا تو اُسے بے حد پسند کیا گیا۔ لوگوں کی خواہش ہوئی کہ اسے کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔ چنانچہ "کتاب الصوم" کی شکل میں کتاب منظر عام پر آگئی، جس کو ہندوستان میں ہم کئی سالوں سے شائع کرتے ہیں۔

زیر نظر کتاب "رمضان المبارک" (احادیث رسول کی روشنی میں) "کتاب الصوم" کی ہی تلخیص ہے۔

اس کتاب میں شائع شدہ درسِ حدیث کو اُن درسوں پر قیاس نہ کیا جائے جو دینی مدارس میں حدیث کے طالب علموں کے سامنے دیے جاتے ہیں۔ بلکہ یہ درس ہفتہ وار اجتماعات میں افادۂ عام کے لیے دیے گئے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ اس کتاب کو مولانا محترمؒ کی اپنی تحریر کی حیثیت حاصل نہیں ہے بلکہ مرتب نے تقریری مواد کو ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے تحریر کے سانچے میں ڈھالا ہے۔

ضرورت ہے کہ اس کتاب کو عام لوگوں تک پہنچایا جائے تاکہ ہمارے معاشرہ کا ہر فرد روزہ کی اہمیت اور اس سے متعلق مسائل سے واقف ہو۔ اس کے ساتھ ہی رمضان المبارک کی برکتوں اور سعادتوں سے فیضیاب ہو۔

والسلام۔ ناشر

ابتدائیہ

رمضان المبارک

تقویٰ، عبودیت اور شکر گزاری کا الٰہی نصاب

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ ۱۸۳)

اے ایمان والو، تم پر روزے فرض کر دیئے گئے، جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو گی۔

۱۔ رمضان کے روزے ہجرت کے اٹھارہ مہینے بعد فرض ہوئے۔ تحویلِ قبلہ کا حکم اس سے کوئی ڈیڑھ دو ماہ پہلے آیا تھا۔ رمضان کے روزوں کی فرضیت قرآن مجید، احادیث اور اجماعِ اُمّت تینوں سے ثابت ہے۔ محولہ بالا آیت میں رمضان کے روزوں کے متعلق حکم دیتے ہوئے کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور کُتِبَ کا لفظ فرضیت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بنابریں قرآن مجید سے ثابت ہے کہ رمضان کے روزے فرض ہیں۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَحَجِّ الْبَیْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ یعنی اسلام کی بنا پانچ چیزوں پر ہے۔

(۱) اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔

(۲) نماز قائم کرنا۔

(۳) زکوٰۃ ادا کرنا۔

(۴) بیت اللہ کا حج کرنا اور

(۵) رمضان کے روزے رکھنا ــــ

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ روزہ فرض ہی نہیں ہے بلکہ رُکنِ اسلام ہے۔

۲- "اسلام کے اکثر احکام کی طرح روزے کی فرضیت بھی بتدریج عائد کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں مسلمانوں کو صرف ہر مہینے تین دن کے روزے رکھنے کی ہدایت فرمائی تھی، مگر یہ روزے فرض نہ تھے۔ پھر ۲ھ ہجری میں رمضان کے روزوں کا یہ حکم قرآن میں نازل ہوا، مگر اس میں اتنی رعایت رکھی گئی کہ جو لوگ روزے کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتے ہوں اور پھر بھی روزہ نہ رکھیں، وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔ بعد میں دوسرا حکم نازل ہوا اور یہ عام رعایت منسوخ کر دی گئی۔ لیکن مریض اور مسافر اور حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت اور ایسے بڈھے لوگوں کے لیے، جن میں روزے کی طاقت نہ ہو، اس رعایت کو بدستور باقی رہنے دیا گیا۔" [۱]

۳- سورہ بقرہ ہی میں آگے چل کر روزوں کا ایک مقصد یہ بیان ہوا ہے:

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز فرمایا ہے، اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔

---

[۱] تفہیم القرآن جلد اول ص ۱۴۱

معلوم ہوا کہ رمضان کے روزوں کو صرف عبادت اور صرف تقویٰ کی تربیت ہی قرار نہیں دیا گیا ہے، بلکہ انہیں مزید برآں اُس عظیم الشان نعمتِ ہدایت پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ بھی ٹھہرایا گیا ہے، جو قرآن کی شکل میں اُس نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک دانش مند انسان کے لیے کسی نعمت کی شکر گزاری اور کسی احسان کے اعتراف کی بہترین صورت اگر ہو سکتی ہے، تو وہ صرف یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس مقصد کی تکمیل کے لیے زیادہ سے زیادہ تیار کرے، جس کے لیے عطا کرنے والے نے یہ نعمت عطا کی ہو۔ قرآن ہم کو اس لیے عطا فرمایا گیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کا راستہ جان کر خود اس پر چلیں اور دنیا کو اس پر چلائیں۔ اس مقصد کے لیے ہم کو تیار کرنے کا بہترین ذریعہ روزہ ہے۔ لہٰذا نزولِ قرآن کے مہینے میں ہماری روزہ داری صرف عبادت ہی نہیں ہے، اور صرف اخلاقی تربیت بھی نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ خود اس نعمتِ قرآن کی بھی صحیح اور موزوں شکر گزاری ہے۔"[1]

---

[1] تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ ۱۴۳

سکتہ کے مریض کا آخری امتحان اس طرح کیا جاتا ہے کہ اس کی ناک کے پاس آئینہ رکھتے ہیں۔ اگر آئینہ پر کچھ دھندلاہٹ پیدا ہو تو سمجھتے ہیں کہ ابھی جان باقی ہے، ورنہ اس کی زندگی کی آخری اُمّید بھی منقطع ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح مسلمانوں کی کسی بستی کا تمہیں امتحان لینا ہو تو اسے رمضان کے مہینے میں دیکھو۔ اگر اس مہینے میں اس کے اندر کچھ تقویٰ، کچھ خوفِ خُدا، کچھ نیکی کے اُبھار کا جذبہ نظر آئے تو سمجھو ابھی زندہ ہے۔ اور اگر اس مہینے میں نیکی کا بازار سرد ہو، فسق و فجور کے آثار نمایاں ہوں، اور اسلامی حسّ مُردہ نظر آئے، تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھ لو۔ اس کے بعد زندگی کا کوئی سانس مُسلمان کے لیے مُقدّر نہیں ہے۔

سیدابوالاعلیٰ مودودی

كِتَابُ الصَّوْمِ

اَلْفَصْلُ الاَوَّلُ

رمضان — نیکیوں کا موسم بہار

۱- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّۃِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّیَاطِیْنُ وَفِیْ رِوَایَۃٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الرَّحْمَۃِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رمضان آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں (ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں) اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، اور شیاطین باندھ دیئے جاتے ہیں" ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں [۱] (متفق علیہ [۲])

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ رمضان کے آغاز میں لوگوں کو نصیحت کرنے کے لیے خطبات دیا کرتے تھے۔ ایسے ہی خطبات میں سے ایک یہ خطبہ ہے —

---

[۱] معلوم ہوتا ہے کہ ان تقریبات میں کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اَبْوَابُ السَّمَاءِ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں، کبھی اَبْوَابُ الْجَنَّۃِ کے اور کبھی اَبْوَابُ الرَّحْمَۃِ کے، اور مدعا ان سب کا ایک ہے۔

[۲] متفق علیہ سے مراد وہ حدیث ہوتی ہے جسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہو۔

اس ارشادِ نبوی کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ یہاں مخاطب وہ مسلمان ہیں جن سے زیادہ سچے اور پکے مومن انسانی تاریخ میں نہیں دیکھے گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایات فرمائی ہیں عام طور پر اپنے خطباتِ جمعہ میں ارشاد فرمائی ہیں، اور جمعہ کی نماز کے وقت جو لوگ مسجدِ نبوی میں جمع ہوتے تھے ان کے بارے میں یہ فرض نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کوئی کمزور ایمان کے یا اتباع اوامر میں کوتاہیاں کرنے والے مسلمان ہوں گے۔ اس لیے یہ بات واضح ہے کہ ان ہدایات کے مخاطب وہ سچے اہلِ ایمان ہیں جو نہایت صالح اور متقی تھے، اللہ تعالیٰ سے ڈر کر زندگی بسر کرنے والے اور اس کی ہدایات کی پیروی کرنے والے تھے۔ اُن سے یہ فرمایا گیا ہے کہ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو آسمان (یا جنت یا رحمت) کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اس کا مدعا مخاطبین کو یہ سمجھانا ہے کہ رمضان کی آمد کے بعد جتنی نیکیاں کر سکتے ہو کرتے چلے جاؤ، جنت کے سب دروازے تمہارے لیے کھلے ہیں۔ اگر صدقہ و خیرات کے دروازے سے جنت میں پہنچ سکتے ہو تو صدقہ و خیرات کے دروازے سے پہنچو۔ اگر روزے کے دروازے سے پہنچ سکتے ہو تو روزے کے دروازے سے پہنچو۔ اگر تلاوتِ قرآن کے راستے سے پہنچ سکتے ہو تو اس راستے سے پہنچو۔ اگر برائیوں سے اجتناب کے ذریعے سے پہنچ سکتے ہو تو اس ذریعے سے پہنچو۔ الغرض جنت میں پہنچنے کے لیے تمام دروازے پوری طرح تمہارے لیے کھلے ہیں۔ اور اب یہ تمہارا کام ہے کہ خود کو جنت کے قابل بنا لو۔

- پھر فرمایا کہ "جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کے زمانے میں اُن برائیوں کے امکانات بھی کم ہو جاتے ہیں جن میں ایک آدمی دوسرے زمانے میں عام طور پر مبتلا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ایک نیکوکار مسلمان رمضان کی ایمان پرور فضا کی بدولت برائی کے بہت سے امکانات سے بچ جاتا ہے اور اس طرح جہنم کے دروازے اس کے لیے بند ہو جاتے ہیں۔

● تیسری بات یہ فرمائی کہ "شیاطین باندھ دیئے جاتے ہیں"
اِن الفاظ کا مدّعا یہ ہے کہ رمضان المبارک وہ زمانہ ہے جس میں نیکیاں فروغ پاتی ہیں اور شیاطین کی کارفرمائی رُک جاتی ہے۔ چونکہ تمام مسلمان بیک وقت روزہ رکھتے ہیں اور ایک ایک آدمی الگ الگ روزہ نہیں رکھتا اس لیے بیک وقت روزہ رکھنے سے پوری قوم کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کا ایک ایسا ماحول پیدا ہو جاتا ہے جو دوسرے دنوں میں نہیں ہوتا۔ اس لیے رمضان وہ مہینہ ہے جس میں آدمی کے اندر رُجوع اِلَی اللہ کی ایک مسلسل کیفیّت جاری و ساری رہتی ہے کیونکہ جو آدمی بارہ چودہ گھنٹے روزے سے ہوتا ہے اسے گویا ہر وقت یہ یاد ہوتا ہے کہ میں روزے سے ہوں اور میں نے اپنے رب کی خوشنودی کے لیے روزہ رکھا ہوا ہے۔ جب اسے پیاس لگے گی تو وہ پانی نہیں پیئے گا کیونکہ اسے یاد ہوگا کہ وہ روزے سے ہے۔ جب اسے بھوک لگے گی اور کھانے کی خواہش ہو گی تو اسے یاد ہوگا کہ وہ روزے سے ہے اس لیے کھانے سے مجتنب رہے گا۔ اس طرح رمضان کے پورے مہینے میں آدمی کا رجوع مسلسل اللہ تعالیٰ کی طرف رہتا ہے ـــــــ وہ افطار کرتا ہے تو گویا خود محسوس کرتا ہے کہ یہاں تک تو میرے رب نے مجھے باندھ رکھا تھا، اب اس نے مجھے اجازت دے دی ہے تو روزہ افطار کر رہا ہوں۔ اس کے بعد کھانا کھایا تو پھر تراویح کے لیے چلا گیا، جس سے پھر رُجوع الی اللہ کی نوبت آئی۔ اس طرح مسلسل چوبیس گھنٹے اللہ کی طرف اس کا رُجوع رہا ـــــــ اور پھر یہ رجوع ایک آدمی کا نہیں ہوتا بلکہ پوری قوم کا ہوتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ رمضان نیکی کا موسم ہے۔
جس طرح بارش کا ایک موسم ہوتا ہے اور اس میں ہر چیز نشوونما پاتی ہے اسی طرح یہ نیکیوں کا موسم ہے اور اس میں نیکیوں کی ترقی کے بے شمار مواقع پیدا ہو جاتے ہیں۔ آدمی جس قدر رُوحانی ترقی کرنا چاہے کر سکتا ہے کیونکہ اس میں ہر آدمی کی نیکی

دوسرے کے لیے مددگار ثابت ہوتی ہے۔ ہر آدمی دوسرے کے روزے میں مددگار ہوتا ہے۔ عام دنوں میں روزہ رکھ کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں کتنی شدّت پائی جاتی ہے کیونکہ کوئی آدمی بھی روزے میں دوسرے کا مددگار نہیں ہوتا۔ لیکن رمضان میں یہ کیفیت نہیں ہوتی کیونکہ پورا معاشرہ ایک حالت میں ہوتا ہے۔ اس طرح ایک آدمی کو لاکھوں آدمیوں کے روزے سے مدد پہنچتی ہے اور ان کے تقویٰ اور نیکوکاری سے تقویت ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رمضان میں انسان کی روحانی ترقی اور سیرت و کردار کی اصلاح و تعمیر کے بے شمار مواقع پیدا ہو جاتے ہیں ــــ آپ دیکھتے ہیں کہ اب بھی اس بگڑے ہوئے ماحول میں اگر کوئی شخص رمضان کے زمانے میں گالم گلوچ کر رہا ہو تو لوگ کہتے ہیں "میاں رمضان میں یہ حرکت کر رہے ہو؟" اس کے معنی یہ ہیں کہ معاشرے کو اب تک اس بات کا احساس ہے کہ رمضان کا احترام کیا معنی رکھتا ہے اور اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صدرِ اوّل میں کیا کچھ کیفیت ہوگی۔

اِسی بنا پر فرمایا کہ رمضان میں جنّت کے دروازے کھل جاتے ہیں، دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور شیاطین باندھ دیئے جاتے ہیں ــــ لیکن یہ امر بہر حال ملحوظ رہنا چاہیئے کہ یہ بات ایک مسلم معاشرے کے صالح ماحول کے بارے میں بیان کی گئی ہے۔ ورنہ اِسی زمانے میں اگر کوئی شخص شرک اور دوسرے گناہوں کا مرتکب ہو تو اس کے لیے دوزخ کے سارے دروازے کھل جاتے ہیں اور جنّت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

جنّت کا ایک دروازہ روزہ داروں کے لیے مخصوص ہوگا

۲- عَنْ سَھْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

وَسَلَّمَ: فِي الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ مِنْهَا بَابٌ يُسَمَّى الرَّيَّانَ لَا يَدْخُلُهُ إِلَّا الصَّائِمُونَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنّت کے آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ایک دروازے کو "ریّان" کہتے ہیں۔ اس دروازے سے (جنّت میں) صرف روزہ رکھنے والے ہی داخل ہوں گے۔ (متفق علیہ)

رَیَّان کا لفظ رِیّ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں سیراب کرنا، آبپاشی کرنا۔ ریّان سے مراد وہ دروازہ ہے جو سیراب کرنے والا ہے۔

جنّت کے دروازوں سے مراد وہ بڑی نمایاں نیکیاں ہیں جن کے ذریعے سے آدمی جنّت میں جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی فیّاضی، سخاوت اور انفاق فی سبیل اللہ میں بڑھا ہوا ہے۔ وہ نیکی کے دوسرے کام بھی کر رہا ہے، روزے بھی رکھتا ہے اور نمازیں بھی پڑھتا ہے لیکن اس کی نمایاں نیکی جس کی وجہ سے وہ ممتاز ہے انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ چنانچہ یہ انفاق فی سبیل اللہ دراصل جنّت کا ایک دروازہ ہے جس کے ذریعے سے وہ جنّت میں داخل ہوگا۔ پھر مثلاً ایک اور شخص ایسا ہے کہ اس کے اعمال میں نمایاں نیکی جہاد فی سبیل اللہ ہے، تو وہ مجاہدین فی سبیل اللہ کے دروازے سے جنّت میں داخل ہوگا۔ اس طرح مختلف آدمیوں کے جو نمایاں اوصاف ہیں ان کے لحاظ سے ان کی حیثیت مشخص ہوتی ہے اور انہی کے لحاظ سے جنّت کے وہ دروازے ہیں جن سے وہ اس میں داخل ہوں گے۔

دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ نیکیاں تو دنیا میں بے شمار ہیں لیکن اگر ان نیکیوں کو تقسیم کریں تو وہ آٹھ بابوں میں تقسیم ہو سکتی ہیں۔ ان آٹھ بابوں میں سے جس باب سے کوئی شخص زیادہ مناسبت رکھتا ہوگا اسی کے راستے سے وہ جنّت میں داخل ہوگا۔

یہ جو فرمایا کہ ان میں سے ایک دروازہ رَیّان (یعنی سیراب کرنے والا) ہے اور اس سے جنت میں صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ ویسے تو روزہ سارے مسلمان رکھیں گے لیکن جن لوگوں نے کثرت سے روزے رکھے، ان کا پورا پورا حق ادا کیا اور یہی بات پیشِ نظر رکھی کہ وہ روزے رکھ کر اپنے اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تو یہ دروازہ ان کے لیے مخصوص ہوگا۔

تمام گزشتہ گناہوں کی بخشش کا زمانہ

۳- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور احتساب کے ساتھ، تو اس کے وہ سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے جو اس سے پہلے سرزد ہوئے ہوں گے۔ اور جس شخص نے رمضان میں قیام کیا (یعنی راتوں کو کھڑے ہو کر عبادت کی) ایمان اور احتساب کے ساتھ، تو معاف کر دیئے جائیں گے اس کے وہ قصور جو اس نے پہلے کئے ہوں گے۔ اور جس شخص نے لیلۃ القدر میں قیام کیا، ایمان اور احتساب کے ساتھ تو معاف کر دیئے جائیں گے اس کے وہ سب گناہ جو اس نے پہلے کیے ہوں گے۔ (متفق علیہ)

اِحتساب اس چیز کا نام ہے کہ آدمی اپنے تمام نیک اعمال پر صرف اللہ تعالیٰ ہی کے اجر کا اُمیدوار ہو اور خالصتہً اُسی کی رضاجوئی کے لیے کام کرے۔

اِس حدیث میں گناہوں سے معافی کی جو خوشخبری سُنائی گئی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والے اور آخرت کی بازپُرس سے بے خوف ہیں ان کو اس بات کا لائسنس دیا جارہا ہے کہ میاں رمضان کے روزے رکھ لو، تراویح پڑھ لو اور لیلۃ القدر میں کھڑے ہو کر عبادت کر لو، تو پچھلا حساب صاف اور آگے پھر گیارہ مہینے تمھیں جو کچھ کرنا ہے کرتے رہو۔ رشوتیں کھاؤ، لوگوں کے حق مارو، جو ظلم وستم چاہو کرو، رمضان میں آکے پھر عبادت کے لیے کھڑے ہو جانا، روزے رکھ لینا اور نمازیں پڑھ لینا اور پھر پہلے کا کیا ہوا سب معاف ہو جائے گا۔

اِس طرح کی احادیث کا مطالعہ کرتے ہوئے اس بات کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ ان کے مخاطب کون لوگ ہیں۔ جیسا کہ پہلے وضاحت کی جاچکی ہے، ان کے مخاطب وہ صلحاء وابرار ہیں جو اپنی زندگیاں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے مطابق بسر کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اُن سے اگر کوئی لغزش یا گناہ سرزد ہو جاتا تھا تو اس کی نوعیّت ایسی ہرگز نہیں ہوتی تھی کہ جیسے ایک آدمی پوری ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ گناہ کا ارتکاب کرے اور پھر اس پر ڈٹا رہے، بلکہ وہاں صورت اس سے یکسر مختلف تھی۔ ان راستباز لوگوں سے اگر کوئی قصور سرزد ہو بھی جاتا تھا تو وہ بشری کمزوری کی وجہ سے ہوتا تھا اور وہ ہر وقت اس پر توبہ کے لیے مستعد رہتے تھے۔ بشری کمزوری سے اگر کسی سے کوئی قصور سرزد ہو جائے اور وہ اس کے بعد نیکی اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کو اپنا شعار بنائے رکھے تو وہ بجائے خود ایک توبہ ہے ——— توبہ کی ایک

صورت تو یہ ہے کہ ایک آدمی سے کوئی گناہ سرزد ہوا اور اس نے اس سے توبہ کر لی تو یہ بات بھی گناہ کی معافی کا ایک ذریعہ ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک آدمی سے قصور سرزد ہوا اور پھر وہ دوسرے کاموں میں ایسا مشغول ہوا کہ توبہ کرنا بھول گیا تو اس کے بعد اُس نے جو نماز پڑھی وہ نماز اس کے لیے پہلے کی لغزش کو اُس کے حساب سے صاف کر دے گی۔ اِسی طرح اگر اس نے روزہ رکھا تو وہ بھی اس کے گناہ کو صاف کر دیگا۔۔۔ دراصل توبہ اسی چیز کا نام تو ہے کہ ایک شخص ایک وقت میں ایک قصور کا مرتکب ہوا تھا لیکن اس کے بعد وہ پھر اپنے رب کی طرف پلٹ آیا۔ جیسے ایک نوکر اگر اپنی کسی غلطی کی وجہ سے اپنے مالک کی اطاعت سے نکل جائے لیکن پھر معافی مانگ لے اور خدمت پر حاضر ہو جائے تو اس سے ایک دفعہ قصور سرزد ہو جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مالک اُسے ہمیشہ کے لیے اپنی نوکری سے نکال دیگا بلکہ جس وقت وہ آ کر معافی مانگتا ہے اور پہلے کی طرح خدمت کرنے لگتا ہے تو مالک اس سے درگزر کرے گا اور اس کی گزشتہ وفاداری کی وجہ سے اس پر پہلے کی طرح مہربان ہو جائے گا۔

ایسا ہی معاملہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ ہے۔ بندہ اگر بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کا وفادار ہے اور جان بوجھ کر اس کے مقابلے میں اِستکبار اور سرکشی کرنے والا نہیں ہے تو اگر اس سے کسی وقت کوئی قصور سرزد ہو جاتا ہے اور اس قصور کے بعد وہ پھر خدا کے دربار میں نماز کے لیے حاضر ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی مغفرت سے محروم نہیں رکھے گا کیونکہ اس کا طرزِ عمل یہ بتایا ہے کہ وہ ٹھوکر تو کھا گیا تھا لیکن اپنے رب سے بھاگا نہیں تھا، اس کا باغی نہیں ہو گیا تھا۔۔۔ اِسی بنا پر فرمایا گیا کہ اگر ایک شخص نے ایمان اور احتساب کے ساتھ روزے رکھے تو اس کے پچھلے قصور معاف ہو گئے۔ رمضان میں راتوں کو کھڑے ہو کر عبادت کی تو وہ بھی پچھلے قصوروں کی معافی

کا ذریعہ بن گئی۔ اسی طرح اگر وہ لیلۃ القدر میں عبادت کے لیے کھڑا ہوا تو اس کا یہ عمل بھی اس کے پچھلے قصوروں کی معافی کا سبب بن گیا۔

روزے کے اجر کی کوئی حد نہیں

۴۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ، يَدَعُ شَهْوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ مِنْ اَجْلِیْ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ وَّاِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّیْ امْرُءٌ صَائِمٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے کئی گنا بڑھایا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک نیکی دس گنی تک اور دس گنی سے سات سو گنی تک بڑھائی جاتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزے کا معاملہ اس سے جُدا ہے، کیونکہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا ۔۔۔ روزہ دار اپنی شہواتِ نفس اور اپنے کھانے پینے کو میرے لیے چھوڑتا ہے ۔۔۔ روزہ دار کے لیے دو فرحتیں

ہیں۔ ایک فرحت اِفطار کے وقت کی اور دوسری فرحت اپنے
رب سے ملاقات کے وقت کی ــــــ اور روزہ دار کے منہ کی
بساند اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے ــــــ اور
روزے ڈھال ہیں، پس جب کوئی شخص تم میں سے روزے سے ہو
تو اُسے چاہیئے کہ نہ اس میں بدکلامی کرے اور نہ دنگا فساد کرے ــ
ــــــ اگر کوئی شخص اس سے گالی گلوچ کرے یا لڑے تو وہ اس
سے کہہ دے کہ بھائی میں روزے سے ہوں۔" (متفق علیہ)

یہ جو فرمایا کہ دوسری نیکیاں تو دس گنی سے لے کر سات سو گنی تک بڑھائی جاتی ہیں لیکن روزے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ میرے لیے ہے اور میں اُس کی جزا دوں گا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسری نیکیاں اللہ کے لیے نہیں ہیں اور اللہ ان کی جزا نہیں دے گا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق روزہ اس کے لیے خاص ہے اور وہ اس کی جتنی چاہے گا جزا دے گا۔ جب یہ فرمایا کہ دوسری نیکیاں سات سو گنی تک بڑھائی جاتی ہیں اور اس کے مقابلے میں استثناء کے ساتھ روزے کے متعلق فرمایا کہ میں ہی اس کی جزا دوں گا تو اس سے مراد یہ ہے کہ روزے کے اَجر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ جس قدر چاہے گا روزہ دار کو اس کا اُجر دے گا۔

روزے کی یہ غیر معمولی فضیلت کیوں؟

بات دراصل یہ ہے کہ دوسری تمام نیکیاں آدمی کسی نہ کسی ظاہری فعل سے انجام دیتا ہے۔ مثلاً نماز ایک ظاہری فعل ہے۔ نماز پڑھنے والا نماز میں اُٹھتا اور بیٹھتا ہے، رکوع اور سجدہ کرتا ہے، اِس طرح یہ ایک نظر آنے والی عبادت ہے۔

——— اسی طرح حج اور زکوٰۃ کا معاملہ ہے۔ لیکن اس کے برعکس روزہ کسی ظاہری فعل سے ادا نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک ایسا مخفی فعل ہے جو فقط آدمی اور اس کے خدا کے درمیان ہوتا ہے ——— اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ روزہ دراصل اللہ کے حکم کی تعمیل کی ایک منفی شکل ہے۔ مثلاً نہ کھانا اور نہ پینا اور اسی طرح جن دوسری چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان سے باز رہنا۔ اس منفی فعل کو یا تو آدمی خود جان سکتا ہے یا اس کا رب، کسی تیسرے کو معلوم نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ منفی فعل اس نے کیا ہے یا نہیں۔ مثلاً اگر ایک آدمی چھپ کر کھا پی لے تو کسی کو اس کا علم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی کہہ سکتا ہے کہ میں روزے سے ہوں اور کوئی شخص یقین کے ساتھ یہ نہیں جان سکتا کہ آیا وہ روزے سے ہے یا نہیں۔ اگر وہ روزے سے ہے تو اس بات کو صرف وہ جانتا ہے اور اگر روزے سے نہیں تو اس کو بھی اس کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ اسی وجہ سے روزے کا معاملہ صرف خدا اور اس کے بندے کے درمیان ہوتا ہے اور اسی بنا پر اس میں ریا کا امکان نہیں ہوتا ——— ایک آدمی دنیا کو دکھانے کے لیے بےشک یہ کہتا پھرے کہ میں روزے سے ہوں لیکن حقیقتِ صوم کے اندر اس ریاکاری کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ وہ خدا کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ اسی لیے فرمایا کہ روزہ خاص میرے ہی لیے ہے، وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ، میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ روزے کی بے حد و حساب جزا دے گا۔ جتنے گہرے جذبے اور اخلاص کے ساتھ آپ روزہ رکھیں گے، اللہ تعالیٰ کا جتنا تقویٰ اختیار کریں گے، روزے سے جتنے کچھ روحانی و دینی فوائد حاصل کریں گے اور پھر بعد کے دنوں میں بھی ان فوائد کو برقرار رکھنے کی کوشش کریں گے اللہ تعالیٰ کے ہاں

اس کی جزا بڑھتی چلی جائے گی۔ ـــــــ

اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزے کی اس غیر معمولی فضیلت اور مقبولیت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ روزہ دار اپنی شہواتِ نفس اور کھانے پینے کو صرف اللہ ہی کی خاطر چھوڑتا ہے، اس لیے وہ بھی اسے آخرت میں بے حد و حساب اجر سے نوازے گا۔

روزہ دار کے لیے دو فرحتیں

● فرمایا کہ روزہ رکھنے والے کے لیے دو فرحتیں ہیں۔ ایک فرحت افطار کے وقت کی، اور دوسری اپنے رب سے ملاقات کے وقت کی۔

مراد یہ ہے کہ جو فرحت ایک روزہ دار کو افطار کے وقت ملتی ہے وہ افطار پر ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس سے زیادہ فرحت اسے اُس وقت حاصل ہوگی جب وہ اپنے رب سے ملے گا اور وہاں اس کو معلوم ہوگا کہ جو عمل وہ دنیا میں کر کے آیا ہے اس کی یہاں کتنی بڑی جزا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے کس قدر قُرب سے نوازا ہے اور اس کی کتنی خوشنودی اسے حاصل ہوئی ہے۔

● فرمایا "روزہ دار کے منہ کی بساند اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے۔" کوئی شخص اپنے منہ کو چاہے کتنا ہی صاف رکھنے والا اور دانتوں کی صفائی کرنے والا ہو لیکن کئی کئی گھنٹوں تک کھانے پینے سے رُکے رہنے کی وجہ سے اس کے منہ میں ایک خاص قسم کی بساند پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے کسی روزہ دار کے منہ میں اس طرح کی بساند محسوس ہو تو اس سے نفرت نہ کرنی چاہیئے کیونکہ یہ بساند اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسند ہے۔

روزہ ــــ برائیوں کے مقابلے میں آدمی کی ڈھال

● فرمایا کہ روزے ڈھال ہیں۔ پس جب کوئی شخص تم میں سے روزے سے ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ اس میں بد کلامی کرے، نہ دنگا فساد۔

روزہ کے ڈھال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ روزہ کارزارِ حیات میں انسان کو برائیوں سے بچانے والی ڈھال ہے۔ جس طرح دشمن کا وار ڈھال پر روکا جاتا ہے اسی طرح برائی کا کوئی موقع پیدا ہونے پر اگر ایک شخص یہ خیال کرکے کہ وہ روزے سے ہے اس برائی سے بچ جاتا ہے تو اس کا روزہ اس کے لیے برائی کے مقابلے میں ڈھال کے بمنزلہ ہے۔

اِس ڈھال کی مدد کرنے اور اس کو مضبوط بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی خود بدکلامی نہ کرے، خود کسی کو برا نہ کہے اور خود کسی سے نہ لڑے۔ یہ ڈھال کی پہلی مدد ہے۔ اس کی دوسری مدد یہ ہے کہ کوئی دوسرا شخص لڑنے کو آئے تو اس سے کہے کہ بابا میں تو روزے سے ہوں۔ اگر تم گالی دوگے تو میں نہیں دوں گا۔ اس کے بعد یہ ڈھال اس قدر مضبوط ہو جاتی ہے کہ آدمی کو ہر برائی سے بچا سکتی ہے۔

اگر ایک آدمی نے لوگوں سے خود جھگڑا کیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اپنی اس ڈھال میں خود شگاف پیدا کر لیا جو اس کو برائی سے بچانے والی تھی۔ اگر کوئی دوسرا شخص اس سے لڑنے کو آیا اور یہ بھی آستینیں چڑھا کر کھڑا ہو گیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے وہ ڈھال خود توڑ تاڑ کر پھینک دی۔ اب ایک وار وہ کرے گا اور دوسرا وار یہ کرے گا۔ لیکن اگر ایک آدمی اپنے روزے کی اس ڈھال سے کام لے تو یہ ڈھال یقیناً اسے برائیوں سے بچائے گی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِي

جہنم سے آزادی حاصل کرنے کا مہینہ

۵۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ

الشَّيَاطِيْنُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ وَيُنَادِيْ مُنَادٍ يَّا بَاغِيَ الْخَيْرِ اَقْبِلْ وَ يَا بَاغِيَ الشَّرِّ اَقْصِرْ، وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ وَ ذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور وہ جن جو برائی پھیلانے پر کمربستہ رہتے ہیں باندھ دیئے جاتے ہیں، اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، اور پھر ان میں سے کوئی دروازہ کھولا نہیں جاتا، اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور پھر ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا۔ اور پکارنے والا پکارتا ہے کہ اے بھلائی کے طالب آگے بڑھ اور اے برائی کے طالب رک جا۔ اور اللہ کی طرف سے بہت سے لوگ ہیں جو آگ سے بچنے والے ہیں۔——

اور یہ ہر رات کو ہوتا ہے۔" (ترمذی۔ ابن ماجہ)

چونکہ اسلامی تقویم کا انحصار قمری مہینوں پر ہے اور قمری مہینے ہلال سے شروع ہوتے ہیں اس لیے اسلام میں ہر مہینے کا آغاز رات سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ماہِ رمضان ہلال دیکھنے کیساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر یہاں رمضان کی پہلی رات کے متعلق فرمایا گیا کہ ان میں شیاطین اور برائی اور فساد پھیلانے والے جن باندھ دیئے جاتے ہیں۔

رمضان کی اس خصوصیت کے بارے میں یہ بات واضح رہنی چاہیئے کہ اس کا ظہور ساری دنیا میں نہیں ہوتا بلکہ یہ صرف مومنینِ صالحین کی بستیوں کے اندر ہوتا ہے شیطان کیونکر جکڑا جاتا ہے؟

9340

رمضان کی آمد پر شیاطین کا باندھا جانا دراصل اس بات کا نتیجہ ہوتا ہے کہ مومن صالح رمضان کا آغاز ہوتے ہی اپنی خواہشاتِ نفس پر وہ پابندیاں قبول کرتا ہے جو عام زمانے میں اس پر نہیں ہوتیں مثلاً عام زمانے میں تو پانی اس کے لیے حلال ہے لیکن رمضان کے زمانے میں بارہ سے چودہ پندرہ گھنٹے تک وہ اس پر حرام ہو جاتا ہے۔ عام دنوں میں اس کے لیے کھانا کھانا اور خواہش نفس کو پورا کرنا بشرطیکہ جائز طریقہ سے ہو حلال ہے لیکن رمضان کے زمانے میں یہ چیزیں کئی کئی گھنٹے کے لیے اس پر حرام ہو جاتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ ایک مومن پر رمضان کے مہینے میں اُس کے نفس، اُس کی خواہشات اور آزادیٔ عمل پر ایسی پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں جو دوسرے دنوں میں نہیں ہوتیں۔ جب مومن ان پابندیوں کو قبول کر لیتا ہے اور اپنے آپ کو ان میں جکڑ لیتا ہے تو اس کا شیطان بھی جکڑا جاتا ہے۔ اگر مومن بھی اپنے آپ کو خواہشِ نفس کا غلام بنائے رکھے اور شریعت کی پابندیاں قبول نہ کرے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کا شیطان جکڑا نہیں گیا بلکہ بدستور کھلا پھر رہا ہے اور اپنا کام کئے جا رہا ہے۔ پس خوب سمجھ لیجئے کہ جس شخص نے اپنے نفس پر شریعت کی پابندیاں عائد کر لیں تو جس لمحے اُس نے ایسا کیا اُسی لمحے اس کا شیطان بھی زنجیروں میں جکڑا گیا۔ اسی طرح اِدھر اُس نے اپنے اُوپر شریعت کی پابندیاں عائد کیں اور اُدھر جنت کے سارے دروازے اس کیلئے کھل گئے اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے گئے ــــ یہ ہے مفہوم شیطانوں کے جکڑے جانے کا، دوزخ کے دروازے بند ہونے کا اور جنت کے دروازے کھلنے کا۔ اور یہ چیزیں وہیں ظہور پذیر ہوں گی جہاں مومنینِ صالحین بستے ہوں۔ اِس سے یہ مراد نہیں لی جا سکتی کہ ساری دُنیا کے شیطان باندھ دیئے جاتے ہیں۔ اور آج کل تو شیاطین خود مسلمانوں کی بستیوں کے اندر بھی اس زمانے میں کھلے پھرتے ہیں۔ جو لوگ مسلمان ہوتے ہوئے رمضان کے احکام کی خلاف ورزیاں کرتے ہیں ظاہر بات ہے کہ ان کا شیطان تو نہ صرف

یہ کہ کھلا پھر رہا ہے بلکہ ان پر پوری طرح سے تسلّط جمائے ہوئے ہے ـــــ مقیّد تو صرف اُس شخص کا شیطان ہوگا جس نے اپنی خواہشاتِ نفس پر پابندیاں عائد کیں اور اللہ کے احکام کو خود پر نافذ کیا۔

رمضان کی پکار

• پھر فرمایا کہ پکارنے والا پکارتا ہے کہ اے بھلائی کے طالب آگے بڑھ اور اے بُرائی کے طالب رُک جا!

پکارنے والے سے مراد یہ نہیں کہ کوئی شخص کھڑا ہو کر یہ صدا لگاتا ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کی پابندی کرنے والوں کو رمضان کی آمد ہی سے اس بات کی اطلاع مل جاتی ہے کہ نیکیاں کرنے اور برائیوں سے بچنے کا زمانہ آگیا ہے۔ جس وقت اس بات کا اعلان ہوتا ہے کہ رمضان کا چاند دیکھ لیا گیا ہے تو یہ اعلان اپنے اندر اس بات کو متضمن رکھتا ہے کہ اے بھلائی کے طالب، آگے بڑھ، یہ وقت ہے بھلائیاں لُوٹ لے جانے کا۔ وہ زمانہ شروع ہو گیا ہے جس میں تُو بھلائیوں سے اپنی جھولی بھر سکتا ہے ـــــ اور اے بُرائی کے طالب! رُک جا، یہ وقت ہے تیرے رُک جانے کا، کیونکہ وہ زمانہ شروع ہو گیا ہے جس میں تیری ایک معمولی سی بُرائی بہت بڑی بُرائی قرار پائے گی اور اس کے برعکس تیری ایک معمولی سی بھلائی بھی بے انتہا نشوونما پائے گی، اس لیے اب تو تجھے بُرائیوں سے رُک ہی جانا چاہیے!

آگ سے چھٹکارا پانے والے

• پھر فرمایا کہ رمضان کے زمانے میں اللہ کے بہت سے بندے ایسے ہیں جو آگ سے آزادی حاصل کرتے ہیں۔

عَتِیق کے معنی ہیں آزاد آدمی کے۔ اِس ارشاد سے مراد یہ ہے کہ بہت سے بندے ایسے ہیں جو اس زمانے میں اپنے نیک اعمال کی بدولت جہنم کی آگ سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ اِس لیے ہر انسان کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ اپنا شُمار ان بندوں میں کرانے کا سامان کہاں تک کر رہا ہے

"اور یہ ہر رات کو ہوتا ہے۔"

اِس سے مراد یہ ہے کہ رمضان المبارک کی جو برکتیں اور خصوصیات اس کی پہلی رات کو ظہور میں آتی ہیں اُن سب کا ظُہور رمضان کی ہر رات میں بدستور جاری رہتا ہے۔

رحمت، مغفرت اور نجات کا مہینہ

۹- عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي آخِرِ يَوْمٍ مِنْ شَعْبَانَ

فَقَالَ : يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ، شَهْرٌ مُبَارَكٌ، شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ. جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ فَرِيْضَةً وَقِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَشَهْرٌ يُّزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ، مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا كَانَ لَهٗ مَغْفِرَةً لِذُنُوْبِهٖ وَعِتْقَ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْتَقِصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْئٌ. قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ كُلُّنَا نَجِدُ مَا نُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ تَمْرَةٍ اَوْ شَرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ وَمَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ، وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَّاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَآخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ. وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْكِهٖ فِيْهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَاَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ (رواہ البیہقی)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کی آخری تاریخ کو خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگو، تمہارے اوپر ایک بڑا بزرگ مہینہ سایہ فگن ہوا ہے۔ یہ بڑی

برکت والا مہینہ ہے، یہ وہ مہینہ ہے جس کی ایک رات ایسی ہے کہ ہزار مہینوں سے زیادہ افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے (اس کے) روزے فرض کیے ہیں اور اس کی راتوں کے قیام کو تطوع (یعنی نفل) قرار دیا ہے۔ جس شخص نے اس مہینے میں کوئی نیکی کر کے اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کی تو وہ اس شخص کے مانند ہے جس نے دوسرے دنوں میں کوئی فرض ادا کیا (یعنی اسے ایسا اجر ملے گا جیسا کہ دوسرے دنوں میں فرض ادا کرنے پر ملتا ہے) اور جس نے اس مہینے میں ایک فرض ادا کیا تو وہ ایسا ہے جیسے دوسرے دنوں میں اس نے ستّر فرض ادا کیے ——— اور رمضان صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنّت ہے، اور یہ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنے کا مہینہ ہے، اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق بڑھایا جاتا ہے اگر کوئی شخص اس میں کسی روزہ دار کا روزہ کھلوائے تو وہ اس کے گناہوں کی مغفرت اور اس کی گردن کو دوزخ کی سزا سے بچانے کا ذریعہ ہے اور اس کے لیے اتنا ہی اجر ہے جتنا اس روزہ دار کے لیے روزہ رکھنے کا ہے، بغیر اس کے کہ اس روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی واقع ہو ——— حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ ہم نے (یعنی صحابہ کرامؓ نے) عرض کیا یا رسولؐ اللہ، ہم میں سے ہر ایک کو یہ توفیق میسّر نہیں ہے کہ کسی روزہ دار کا روزہ کھلوائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ یہ اجر اُس شخص کو (بھی) دے گا جو کسی روزہ دار کو دودھ کی لسّی سے روزہ کھلوا دے یا ایک کھجور کھلا دے یا ایک گھونٹ پانی پلا دے ——— اور جو شخص کسی روزہ دار کو

پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے تو اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض سے پانی پلائے گا (اس حوض سے پانی پی کر) پھر اسے پیاس محسوس نہ ہو گی یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا —— اور یہ وہ مہینہ ہے کہ جس کے آغاز میں رحمت ہے، وسط میں مغفرت ہے اور آخر میں دوزخ سے رہائی ہے —— اور جس نے رمضان کے زمانے میں اپنے غلام سے ہلکی خدمت لی اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور اس کو دوزخ سے آزاد کر دے گا۔ (بیہقی)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے (اور پہلے بھی یہ بات بیان کی جا چکی ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فضائلِ رمضان اور روزوں سے متعلق ہدایات بالعموم رمضان کے آنے سے پہلے شعبان کے جمعوں یا دوسرے اجتماعات میں، دی ہیں۔ رمضان کے زمانے میں جو خطبے حضورؐ دیتے تھے اگرچہ ان میں بھی احکام کا بیان ہوتا تھا لیکن خاص طور پر آپؐ کا طریقہ یہ تھا کہ رمضان کے آنے سے پہلے شعبان کے مہینے میں ایسے خطبے ارشاد فرمایا کرتے تھے جن میں رمضان کی فضیلت اور روزوں کے احکام کا بیان ہوتا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس خطبے میں فرمایا:

- "لوگو! تمہارے اُوپر ایک مہینہ ایسا آ رہا ہے جو عظیم ہے، یعنی بزرگی والا اور بڑی برکت والا ہے۔

—— ماہ رمضان کے بزرگ یا بابرکت ہونے کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ اس کے دنوں، گھنٹوں یا منٹوں میں فی نفسہٖ کوئی ایسی برکت شامل ہے جو لوگوں کو خود بخود حاصل ہو جاتی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ایسے مواقع پیدا کر دیتا ہے جن کی بدولت تم اس کی بے حد و حساب برکات سے فائدہ

اُٹھا سکتے ہو۔ اس مہینے میں ایک آدمی اللہ تعالیٰ کی جتنی زیادہ عبادت کرے گا اور نیکیوں کے جتنے زیادہ کام کرے گا وہ سب اس کے لیے زیادہ سے زیادہ روحانی ترقی کا وسیلہ بنیں گے۔ اس لیے اس مہینے کے بزرگ اور بابرکت ہونے کا مطلب حقیقت یہ ہے کہ اس کے اندر تمہارے لیے برکتیں سمیٹنے کے بے شمار مواقع فراہم کر دیئے گئے ہیں۔

- "یہ وہ مہینہ ہے جس کی ایک رات ایسی ہے کہ ہزار مہینوں سے زیادہ افضل ہے۔"

اس سے مراد لیلۃ القدر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا۔ اس کے ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ کبھی ہزار مہینے میں بھی نوعِ انسانی کی فلاح کا وہ کام نہ ہوا ہو گا جتنا اس ایک رات میں ہوا۔

- "اللہ تعالیٰ نے رمضان کے (دنوں کے) روزے فرض کئے ہیں اور اس کی راتوں کے قیام کو تطوّع (یعنی نفل) قرار دیا ہے۔"

—— تَطَوُّع سے مراد وہ کام ہے جو آدمی اپنے دل کی خوشی سے (Voluntarily) انجام دے، بغیر اس کے کہ وہ اس پر فرض کیا گیا ہو۔

رمضان میں دن کے روزے کو فرض اور رات کے قیام کو نفل قرار دے کر فرض اور نفل عبادات دونوں کے فائدوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ ادائے فرض کے فائدے کچھ اور ہیں اور از خود اپنی رضا و رغبت سے بغیر اس کے کہ کوئی چیز لازم قرار دی گئی ہو، اللہ کی عبادت کرنے کے فائدے کچھ اور ہیں۔ اگر ایک آدمی اپنی ڈیوٹی بجا لاتا ہے تو وہ اس پر ایک اور قسم کے انعام کا مستحق ہوتا ہے اور اگر وہ اپنی ڈیوٹی سے بڑھ کر اپنے دل کی رضا سے کوئی خدمت بجا لاتا ہے تو اس پر وہ کسی اور قسم کے انعام کا مستحق ہوتا ہے۔ ایک چیز وہ ہے جس پر وہ مزدوری کا مستحق ہے اور دوسری چیز وہ ہے جس

پر اسے بونس (Bonus) کا مستحق قرار دیا جائے گا ——— معلوم ہوا کہ اس ماہ میں دو قسم کے مواقع پیدا کر دیئے گئے ہیں۔ ایک تو ڈیوٹی عائد کر دی گئی ہے جس کے اجر کے آپ الگ مستحق ہوں گے اور ایک چیز آپ کے تطوّع پر چھوڑ دی گئی ہے کہ آپ اپنی رضا و رغبت سے راتوں کو عبادت کے لیے کھڑے ہوں تو اس پر آپ کو مزید انعامات ملیں گے ——— یہ گویا اس چیز کی تشریح ہے کہ اس بزرگ مہینے میں کیا کیا برکتیں رکھ دی گئی ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: "جس شخص نے اس مہینے میں کوئی نیکی کر کے اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کی تو اس کو ایسا اجر ملے گا جیسا کہ دوسرے دنوں میں فرض ادا کرنے پر ملتا ہے، اور جس نے اس مہینے میں فرض ادا کیا تو وہ ایسا ہے جیسے دوسرے دنوں میں اس نے ستّر فرض ادا کیے۔"

چونکہ یہاں فَرِیْضَۃ کے مقابلے میں خَصْلَۃً مِّنَ الْخَیْرِ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اس لیے ان سے خود بخود یہ معنی نکلتے ہیں کہ ان سے مراد نفل نیکی ہے۔ یعنی جو آدمی اس مہینے میں نفل کے طور پر کوئی نیکی کرتا ہے اسے اس پر ایسا اجر ملے گا جیسا دوسرے زمانے میں فرض ادا کرنے پر ملتا ہے۔

رمضان کے زمانے میں یہ فرق کیوں ہوتا ہے؟

رمضان کے زمانے میں عام دنوں کی بہ نسبت اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ عام دنوں میں تو آدمی بڑی حد تک یا ایک حد تک انفرادی حیثیت سے عبادات و فرائض کی بجا آوری کرتا ہے لیکن رمضان کا زمانہ وہ ہے جسے بحیثیت مجموعی پوری قوم کے لیے نیکی کا موسم قرار دیا گیا ہے۔ ساری قوم بیک وقت روزہ رکھتی اور افطار کرتی ہے۔ سب ایک ہی وقت میں جا کر تراویح پڑھتے اور دوسری عبادات انجام دیتے ہیں۔ اس طرح پوری قوم کے اندر نیکی کا ایک عام ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔

اس لیے اس زمانے میں نیکی خوب پھلتی پھولتی ہے۔ بالکل اُسی طرح جس طرح بارش کے زمانے میں فصل عام زمانے کی بہ نسبت خوب بڑھتی اور پھلتی پھولتی ہے۔ چنانچہ رمضان کے دنوں میں آدمی جو نیکی بھی کرتا ہے وہ اکیلے اُسی کی نیکی نہیں ہوتی بلکہ بے شمار نیکیاں مل کر اُس کو بڑھا رہی ہوتی ہیں۔ پھر چونکہ رمضان نیکیوں کا عام موسم ہے اس لیے اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا فیضان بھی عام ہوتا ہے۔ ایک آدمی جو نفل نماز بھی پڑھے، کسی کے ساتھ بھلائی کا جو کام بھی کرے، جو خیرات بھی کرے اُسے ان پر اتنا اجر ملے گا جتنا عام دنوں میں فرض ادا کرنے پر ملتا ہے۔ اسی طرح رمضان کے زمانے میں اگر کوئی شخص فرض ادا کرتا ہے، خواہ وہ زکوٰۃ ہو یا نماز یا روزہ، تو اُسے اس کا اتنا اجر ملے گا جتنا اس کو عام دنوں میں ستّر گُنا زکوٰۃ نکالنے، ستّر نمازیں پڑھنے یا ستّر روزے رکھنے کا ملتا ہے۔

——صَبْر کے معنی عربی لُغت میں باندھنے اور روکنے کے ہیں۔ اس مقام پر صبر سے مراد ہے اپنے آپ کو اتنا باندھنا اور ایسا ضبطِ نفس کرنا کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرے اور اس کی اطاعت کے دائرے سے باہر نہ نکلے۔

یہ جو ارشاد فرمایا کہ صبر ہی کا ثواب جنّت ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ ایک آدمی اگر جنّت حاصل کرتا ہے تو اسی وجہ سے حاصل کرتا ہے کہ وہ اپنے نفس پر اتنا قابو پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے کہ اس کی خواہشاتِ نفس بے لگام نہیں ہونے پاتیں اور وہ ان کو رضائے الٰہی کا پابند بنا دیتا ہے۔

اِس صبر کی جتنی مشق رمضان میں ہوتی ہے اتنی اور کسی زمانے میں نہیں ہوتی۔ رمضان میں آدمی مسلسل چوبیس گھنٹے صبر کی مشق کرتا ہے۔ سحری کا وقت

اس کے اٹھنے کا نہیں ہوتا لیکن وہ اٹھتا ہے۔ وہ وقت کھانے کا نہیں ہوتا لیکن وہ اپنے نفس سے کہتا ہے کہ تیرے رب نے یہی وقت تیرے کھانے کے لیے مقرر کیا ہے، اس وقت کھانا ہے تو کھا لے ورنہ دن بھر تجھے بھوکا رہنا پڑے گا۔ گویا اس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے آپ کے نفس کی لگام آپ کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور آپ اس پر سوار ہوتے ہیں (بجائے اس کے کہ یہ آپ پر سوار ہو)۔ جس وقت اللہ کا حکم ہوا بس اسی وقت کھانا پینا بند ہو گیا۔ پھر آپ کا ہاتھ نہ کھانے کی طرف بڑھتا ہے نہ پینے کی طرف۔ دن بھر آپ پر خواہ کچھ ہی کیوں نہ گزرے لیکن آپ اپنے نفس کو بے قابو نہیں ہونے دیتے۔ پھر جس وقت اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے آپ فوراً افطار کرتے ہیں ——— آگے وہ احادیث آ رہی ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات نہایت پسند ہے کہ بندہ افطار میں جلدی کرے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ روزہ دار محض اللہ کے حکم کی وجہ سے رُکا ہوا تھا ورنہ اس کو ایسی بھوک اور پیاس لگی تھی کہ وہ کھانے اور پینے میں ایک لمحے کی دیر کرنے والا نہیں تھا۔

یہ ہے وہ طریقہ جس سے آپ کو اپنے نفس پر قابو پانے اور صبر کرنے کی مشق کرائی جاتی ہے، اور یہی وہ صبر ہے جس کا نتیجہ جنت ہے کیونکہ اسی صبر کی بدولت تو آپ اس پر قادر ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام و ہدایات کی خلاف ورزی سے بچیں اور ہر حال میں اس کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنا شعار بنائے رکھیں۔

- پھر فرمایا کہ "یہ مہینہ مواساۃ کا مہینہ ہے"۔

مُوَاسَاۃ کے معنی ہیں باہم ہمدردی کرنا اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں کام آنا ——— رمضان کے شَھْرُ الْمُوَاسَاۃ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں لوگوں کو ایک دوسرے کی مدد اور ہمدردی کرنے کی تربیت دی جاتی ہے کیونکہ ایک بھوکے آدمی کو جب خود بھوک کا احساس ہوتا ہے تبھی اسے اس

بات کا پتہ چلتا ہے کہ دوسرے پر بھوک میں کیا گزرتی ہے اور وہ کس قسم کی ہمدردی کا مستحق ہوتا ہے۔

● "اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق بڑھایا جاتا ہے۔"

——— کوئی شخص ناپ تول کر یا حساب لگا کر تو یہ نہیں بتا سکتا کہ رمضان میں اس کی آمدنی کتنی بڑھی یا اس کی تنخواہ میں کیا اضافہ ہوا لیکن لاکھوں، کروڑوں مسلمانوں کا یہ تجربہ ہے کہ رمضان میں جیسا کچھ وہ کھا پی لیتے ہیں عام حالات میں وہ ان کو میسر نہیں آتا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لازماً کوئی ایسی برکت ہے جو اس مہینے میں اللہ تعالیٰ مومن کے رزق میں ڈال دیتا ہے۔

پھر فرمایا کہ "جو شخص کسی کا روزہ کھلوائے تو وہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا اور اس کی گردن کو دوزخ کی سزا سے بچانے کا ذریعہ ہے اور اس کو اتنا ہی اجر ملے گا جتنا اس روزہ دار کو روزہ رکھنے کا ملے گا بغیر اس کے کہ اس روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی ہو۔"

——— یعنی اللہ تعالیٰ کا فضل اتنا محدود نہیں ہے کہ وہ روزہ دار کے اجر میں سے کاٹ کر افطار کرانے والے کو کچھ دے دے کہ یہ تیرے افطار کرانے کا اجر ہے۔ نہیں بلکہ جتنا اجر روزہ رکھنے والے کو ملتا ہے اتنا ہی اجر اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے اس شخص کو دیتا ہے جو روزہ افطار کراتا ہے۔

یاد رہے کہ یہ اجر اُن افطاریوں کے لیے نہیں ہے جو بطور ریاکاری کے اپنی شان و شوکت کے مظاہرے کے لیے کرائی جاتی ہیں اور جن سے مقصود لوگوں کو یہ دکھانا ہوتا ہے کہ حضرت کتنے دولت مند ہیں اور راہ خدا میں کس قدر خرچ کرنے والے ہیں۔

——— یہاں جس اجر کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ تو اُن لوگوں کے لیے ہے جو اللہ کی خاطر لوگوں کو افطار کرائیں اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ ان لوگوں کو افطار کرائیں جو بہتر افطار کرنے کے قابل نہیں ہیں، بہ نسبت اس کے کہ کھاتے پیتے لوگوں کو افطار کرایا جائے۔

اُوپر کی سطور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جن ارشادات کا ذکر کیا گیا ہے اس کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ بتاتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، ہم میں سے ہر ایک کو اتنی توفیق نہیں ہے کہ روزہ دار کا روزہ کھلوائے۔

—— اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اَجر تو ہر اس شخص کے لئے ہے جو کسی روزہ دار کو دودھ یا لسی پلادے یا ایک کھجور کھلادے یا ایک گھونٹ پانی پلادے ——

یعنی یہ اَجر بڑی بھاری افطاریوں کا نہیں ہے بلکہ یہ تو محض روزہ کھلوادینے کا اَجر ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ کیسے ہی سادہ طریقے سے کھلوایا گیا ہو۔

پھر فرمایا "اور جو شخص کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلادے اللہ تعالیٰ اسے میرے حوض سے پانی پلائے گا پھر اسے اس وقت تک پیاس محسوس نہ ہوگی جب تک کہ وہ جنت میں داخل نہ ہوجائے۔"

احادیث میں آتا ہے کہ میدانِ حشر میں پانی کا ایک حوض ہوگا جسے حوضِ کوثر کہا جاتا ہے۔ اس حوض کے محافظ اور نگران خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ اِس سے پانی وہی پیئے گا جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پلائیں گے۔ کسی دوسرے شخص کو اس سے پانی پینے کا موقع نہیں ملے گا۔ پھر اس حوض کے سوا میدانِ حشر میں کوئی دوسرا حوض بھی نہیں ہوگا جہاں سے کوئی شخص پانی پی سکے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حوض پر صرف اُنہی لوگوں کو آنے دیں گے جو اس قابل ہوں گے کہ آگے جا کر جنت میں داخل ہوسکیں۔ چنانچہ جو شخص ایک روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاتا ہے اسے میدانِ حشر میں حوضِ کوثر سے پانی ملے گا تاآنکہ وہ جنت میں داخل ہوجائے۔

میدانِ حشر کے متعلق یہ بات بھی احادیث سے معلوم ہوتی ہے کہ وہاں کوئی سایہ اللہ کے سائے کے سوا نہیں ہوگا اور وہ سایہ صرف نیک آدمیوں کو میسر آتے گا۔ بد آدمیوں کے لیے وہ سایہ نہیں ہوگا —— تصوّر کیجیے کہ اس میدانِ حشر میں جہاں

اللہ کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا، اُس شخص کو برابر پانی ملتا رہے گا جو یہاں کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کے کھانا کھلاتا ہے۔

● پھر فرمایا " اور یہ وہ مہینہ ہے جس کے آغاز میں رحمت ہے اوسط میں مغفرت ہے اور آخر میں دوزخ سے رہائی ہے "

—— یعنی ادھر اس مبارک مہینے کی آمد پر آپ روزہ رکھنا شروع کرتے ہیں اُدھر اللہ کی رحمت آپ پر سایہ فگن ہو جاتی ہے۔ پھر رمضان کے وسط تک پہنچتے پہنچتے اللہ تعالیٰ آپ کے قصوروں سے درگزر فرمالیتا ہے اور آپ کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ اس طرح جب آپ رمضان کے آخر تک پہنچتے ہیں تو ادھر آپ آخری روزہ رکھتے ہیں اُدھر آپ کو دوزخ کے خطرے سے آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔

اس آزادی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب آخری روزے کی وجہ سے آپ کو دوزخ سے آزادی حاصل ہو گئی تو اب آپ آزاد ہیں کہ جو جی چاہے کرتے پھریں، اب آپ پر کوئی گرفت نہیں ہوگی —— ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ بعض لوگ رمضان کے ختم ہوتے ہی وہ سب پابندیاں توڑ ڈالتے ہیں جو اس مبارک مہینے میں اُنہوں نے اپنے اُوپر عائد کر رکھی ہوتی ہیں —— بس رمضان ختم ہوا اور وہ عین عید کے دن (یعنی شوال کی پہلی ہی تاریخ کو) سینما دیکھنے چلے گئے اور پھر اس سے آگے بڑھ کر ناچ گانے کا شوق بھی کر لیا —— پھر کہیں بیٹھ کر کچھ تھوڑا بہت جوا وغیرہ بھی کھیل لیا یہ سب کچھ اگر ایک شخص نے کر ڈالا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ادھر وہ دوزخ کے خطرے سے آزاد ہوا اور اُدھر اُس نے پھر اس میں کودنے کی تیاریاں شروع کر دیں —— ظاہر بات ہے کہ کوئی بھلا آدمی جس کے دل میں ایمان کی کچھ روشنی اور خوفِ خدا کی کوئی رمق موجود ہو

یہ کھیل نہیں کھیل سکتا۔

● "اور جس نے رمضان کے مہینے میں اپنے غلام (یا نوکر) سے ہلکی خدمت لی اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ سے آزاد کر دے گا۔"

——— رمضان کے زمانے میں آدمی کو اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ جیسے وہ خود روزے سے ہے ویسے ہی اس کا نوکر بھی روزے سے ہے۔ نوکر اور خادم سے اس طرح کس کر خدمت لینا کہ جیسے وہ تو روزے سے نہیں ہے اور آپ ہیں کہ روزہ رکھ کر نڈھال ہوتے جاتے ہیں، یہ کسی بھلے آدمی کا کام نہیں ہو سکتا۔ جو شخص رمضان کے زمانے میں اپنے نوکر کے کام میں تخفیف کرتا ہے اور اس سے نرمی برتتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ سے بچائے گا۔

موجودہ زمانے میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ اپنے ماتحتوں سے ——— نوکروں یا غلاموں سے نہیں ——— رمضان کے زمانے میں معمول سے زیادہ کس کر کام لیتے ہیں۔ گویا وہ اپنے عمل سے یہ بات کہتے ہیں کہ اچھا تم نے روزہ رکھنے کی گستاخی کی ہے۔ اب تمہاری سزا یہ ہے کہ تمہاری ڈیوٹی عام دنوں سے دُگنی ہو گئی ہے تاکہ تمہیں ذرا معلوم تو ہو کہ اس زمانے میں اور ہمارے زیرِ سایہ تم روزہ رکھنے کی جسارت کرتے ہو۔ لیکن خوب سمجھ لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح ہدایت یہ ہے کہ اگر تمہارا کوئی غلام بھی ہے (یہاں مملوک کا لفظ ہے، خادم کا لفظ نہیں ہے) تو تمہارا یہ کام ہے کہ رمضان کے زمانے میں اس سے سخت قسم کا کام نہ لو۔ بلکہ اس کے ساتھ نرمی برتو اور اسے ہر ممکن سہولت دو۔ اس بات کا صلہ، اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے لیے یہ ہوگا کہ وہ تمہیں دوزخ کی آگ سے بچائے گا۔

باب ۹

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

سحری کرنے میں برکت ہے

۲٦- عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِی السُّحُوْرِ بَرَکَۃً۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سحری کرو کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔

(متفق علیہ)

اسلام کی مقرر کردہ عبادات اور دنیا کے دوسرے مذاہب کی عبادات میں ایک اصولی فرق ہے اور اس فرق کی وجہ سے ان کے فوائد میں فرق واقع ہوا ہے۔

وہ اصولی فرق یہ ہے کہ دوسرے مذاہب میں عبادات کے پیچھے یہ تصور کارفرما ہے کہ آدمی کا اپنے بدن کو تکلیف میں مبتلا کرنا اصلی روحانی ترقی اور اللہ سے قرب کا ذریعہ بنتا ہے۔ مثلاً ان کے نزدیک بھوکا مرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور یہ آدمی کو اس کے قریب کرتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنے اس تصور کے مطابق متعدد ایسے ہی دوسرے کام کرتے ہیں مثلاً کوئی کسی کنوئیں کے اندر الٹا لٹک رہا ہے۔ کوئی کمیں بھٹ کے اندر زندگی گزار رہا ہے اور طرح طرح کے جانور اس کو کاٹ رہے ہیں۔ یہ اور ایسی ہی دوسری بہت سی اذیتیں تقرب خداوندی کے خواہش مند خود اپنے آپ کو پہنچاتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک آدمی کا اپنے جسم کو طرح طرح کی تکلیفیں دینا

اللہ تعالیٰ کو اس بات کا یقین دلانے کا ذریعہ ہے کہ یہ بندہ تیری محبت اور عشق میں ایسا مبتلا ہے کہ اپنے آپ کو مارے دے رہا ہے ــــــ لیکن اسلامی تصورِ عبادت کی رُو سے یہ تصوّرات سراسر جہالت پر مبنی ہیں۔

اسلامی عبادات کا مقصد ــــــ تربیت و تزکیۂ نفس

اس کے برعکس اسلام کی عبادات حقیقت میں آدمی کی تربیت کے لیے مقرر کی گئی ہیں اور اس تربیت کے ذریعے سے یہ آدمی کو اللہ تعالیٰ کے قریب لے جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر یہی روزہ ہے۔ روزے میں اصل چیز یہ نہیں ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے آپ کو بھوک پیاس میں مبتلا کیا، اور آپ کی اس تکلیف سے معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کو کوئی خوشی ہوئی بلکہ اصل چیز یہ ہے کہ آپ نے روزہ رکھ کر اللہ تعالیٰ کے ایک حکم کی اطاعت کی اور اس کی فرمانبرداری کا عملی مظاہرہ کیا۔ اس نے حکم دیا کہ ایک خاص وقت تک تم کھا پی سکتے ہو اس کے بعد کچھ نہیں کھا سکتے تو جس وقت تک اُس نے اجازت دی آپ نے اس وقت تک کھایا پیا، اس کے بعد رک گئے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں اور اس کے نافرمان نہیں ہیں۔ پھر جس وقت تک وہ کہتا ہے کہ آپ نہ کھائیں، آپ نہیں کھاتے پیتے۔ چاہے بھوک اور پیاس نے آپ کو کیسا ہی نڈھال کر رکھا ہو۔ اس طرح آپ کا ایک خاص وقت تک اپنے آپ کو کھانے پینے سے روک رکھنا یہی معنی تو رکھتا ہے کہ آپ اُس کے فرمانبردار بندے ہیں۔ آپ کی یہی فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور یہی فرمانبرداری درحقیقت عبادات کا حاصل ہے ورنہ محض آپ کو تکلیف دینا اللہ تعالیٰ کا مقصود نہیں ــــــ پھر جس وقت اللہ تعالیٰ آپ کو اجازت دے دیتا ہے کہ اب تم کھاؤ پیو اس وقت اگر آپ بے نیازی برتتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں کھانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم تو اللہ تعالیٰ کا تقرب چاہتے ہیں، اس کے معنی یہ ہیں کہ

آپ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں یہ دعویٰ لے کر آتے ہیں کہ ہمیں تو اپنے اُوپر اتنا قابو ہے کہ (معاذ اللہ) آپ کے تصوّر میں بھی نہیں آسکتا۔ دیکھیئے ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ ہم اپنے اُوپر کتنا قابو رکھتے ہیں ــــــ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ وہ سزا دیتا ہے جو اس نے عیسائی راہبوں کو دی۔

اسلام میں عبادات کا تصوّر یکسر مختلف ہے

یہاں تو یہ صورت ہے کہ جس وقت آپ کو اجازت دی گئی ہے اس وقت آپ کا یہ فرض ہے کہ اس اجازت سے فائدہ اُٹھائیں۔ آپ کا رب اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ آپ اُس کی دی ہوئی اجازتوں سے فائدہ اُٹھائیں۔ وہ آپ سے ناراض صرف اُس وقت ہوتا ہے جب آپ اُن حدود سے تجاوز کریں جو اس نے مقرر کر دی ہیں۔ جس جگہ اس کی طرف سے ممانعت ہے وہاں اگر آپ اس کے احکام کی خلاف ورزی کریں تو یہ بات اس کی ناراضی کی موجب بنتی ہے لیکن یہ بات اس کی ناراضی کا سبب نہیں بنتی کہ آپ نے اس کی اجازت کے وقت اچھا کھانا کیوں کھایا ــــــ اچھے کھانے بھی تو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کئے ہیں اور آپ ہی کیلئے پیدا کیے ہیں۔ آپ اس کی نعمتوں سے متمتّع ہوں تو وہ آخر آپ سے کیوں ناراض ہوگا ــــــ چنانچہ جس وقت وہ کہتا ہے کہ بھوکے رہو تو اسوقت بھوکے رہیئے اور جس وقت وہ کہتا ہے کہ کھاؤ تو اُس وقت کھایئے ــــــ

اسی تصوّر سے ہمارے روزوں میں اور دوسرے مذاہب والوں کے روزوں میں فرق واقع ہو جاتا ہے اور یہ فرق آغاز اور انجام دونوں جگہوں پر پایا جاتا ہے۔

اہل کتاب کے روزوں میں سحری کرنا نہیں تھا۔ ان کا روزہ سورج غروب ہونے کے بعد شروع ہوتا تھا اور وہ رات ہی کو کھا پی کر فارغ ہو جاتے تھے۔ پھر وہ روزہ دوسرے دن کے سورج کے غروب ہونے تک چلتا تھا۔ لیکن

ان کے اندر جو لوگ زیادہ "زہد و تقویٰ" برتنے والے تھے وہ دوسرے دن کا روزہ کھولتے ہی اگلا روزہ شروع کر دیتے تھے، اور کوئی اللہ کا بندہ ایسا بھی ہوتا تھا جو مثلاً مٹر کے ایک دانے سے روزہ کھول لیتا اور دوسرا روزہ شروع کر لیتا۔ پھر ان میں بعض ایسے باکمال تھے جو دوسرے دن کا روزہ بھی نہیں کھولتے تھے اور اگلا روزہ شروع کر لیتے تھے۔ اسی طرح تین تین چار چار دن کا روزہ رکھتے تھے۔ گویا جو جتنا بڑا راہب ہوتا تھا یا جس کو اپنے ذوقِ تقویٰ کا کوئی خاص بڑا کمال دکھانا ہوتا تھا وہ اتنا ہی زیادہ لمبا چوڑا روزہ رکھتا تھا۔

سحری کھانے میں کیا برکت ہے

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "سحری کرو کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے"۔ —— سحری کھانے میں برکت یہ ہے کہ اس سے آپ کو اللہ کے کے حکم کی بجا آوری میں سہولت ہوتی ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ فجر کے وقت سے روزہ شروع کرو اور غروب آفتاب کے وقت ختم کرو۔ اب جس وقت سے روزہ شروع ہوتا ہے اس سے پہلے اگر آپ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اجازت سے فائدہ اُٹھا کر کھا پی لیتے ہیں تو وہ کھایا پیا دن بھر آپ کے کام آئے گا لیکن اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو اس سے لازماً آپ کو کمزوری لاحق ہو گی۔ اب چونکہ اللہ کا حکم یہ ہے کہ یہ روزے مہینہ بھر رکھے جائیں اور ہو سکتا ہے کہ اس طرح کسی آدمی کی طاقت اور ہمت یہ مدت پوری کرنے سے پہلے ہی جواب دے جائے اس لیے نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم بجا لانے کے قابل نہیں رہے گا۔ اسی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سحری کرنے کی تاکید فرمائی کہ جس وقت کھانے پینے کی تمہیں اجازت ہے اس وقت تم کھاؤ تاکہ جس وقت تمہیں کھانے پینے کی اجازت نہ ہو گی اس میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا حکم بجا لانے کی طاقت حاصل رہے۔

اہلِ کتاب اور مسلمانوں کے روزوں میں فرق

۲۷۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ أَهْلِ الْكِتٰبِ أَكْلَةُ السَّحَرِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

"حضرت عمرو بن العاص رض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اور اہلِ کتاب کے روزوں کے درمیان فرق ہے سحری کا لقمہ، (یا سحری کا کھانا)" (مسلم)

چونکہ اہلِ کتاب کا روزہ سحری کے بغیر ہوتا ہے اور ہمارا روزہ سحری کے ساتھ ہوتا ہے اسلیے یہی بات ہمارے اور ان کے روزے میں فرق کرتی ہے انکا تصور یہ ہے کہ روزہ خود کو تکلیف دینے کے لیے ہے جبکہ ہمارا تصور یہ ہے کہ روزہ حکم بجالانے کی عادت ڈالنے کے لیے ہے۔ ہم فرمانبرداری کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب چاہتے ہیں اور وہ خدا کا قرب حاصل کرنے کے لیے ایسی ایسی تکلیفیں اُٹھاتے ہیں جن کے اُٹھانے کا حکم خدا نے نہیں دیا ہے۔

جلدی افطار کرنے میں بھلائی ہے

۲۸۔ عَنْ سَهْلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ بھلائی پر رہیں گے جب تک کہ افطار کرنے میں جلدی کرتے

رہیں گے (متفق علیہ)

یہود کا یہ دستور تھا کہ روزہ اس وقت کھولتے تھے جب آسمان پر ستارے چمک آتے تھے اور اس میں بھی جو آدمی جتنی زیادہ دیر کرتا تھا وہ اتنا ہی زیادہ متقی اور زاہد و پرہیز گار مانا جاتا تھا۔ یہ گویا اُن کے نزدیک اس بات کی علامت تھی کہ یہ شخص کھانے کے لیے مطلق بے تاب نہیں تھا اور دیکھو کیسا ضبطِ نفس ہے کہ روزہ کھولنے کا وقت ہو بھی گیا ہے لیکن پھر بھی نہیں کھول رہا ہے۔ اسلام میں اس طرح کے نمائشی تقویٰ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہمارے ہاں تصوّر یہ ہے کہ جو وقت اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے اسوقت تک تو آپ اس طرح رُکے رہیں کہ جیسے کسی نے آپ کو باندھ رکھا تھا۔ لیکن جس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت مل جائے آپ اُسی وقت اُس چیز کی طرف دوڑیں جس سے اب تک رُکے ہوئے تھے اور اس سے فائدہ اُٹھانے میں جلدی کریں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ بندہ اُس کے حکم کی وجہ سے رکا ہوا تھا۔ اگر اس کا حکم رکنے کا نہ ہوتا تو یہ نہ رکتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے پابند کر رکھا تھا اس لیے اس نے اپنی خواہشات اور اپنی بھوک پیاس ہر چیز پر پابندی لگا رکھی تھی لیکن جونہی اس پر سے پابندی ہٹالی گئی وہ پوری آزادی سے کھانے پینے لگا اور اپنی دوسری ضروریات پوری کرنے لگا۔ چونکہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کو سبت پسند ہے اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ خیر پر رہیں گے جب تک کہ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے ——— اس سے یہ تنبیہ بھی مقصود تھی کہ اگر لوگوں نے افطار میں دیر لگانی شروع کر دی تو ان کو وہ بیماری لگنی شروع ہو جائے گی جس میں اہل کتاب مبتلا ہوئے۔

اسلام ابتدائی کو مقامِ آغاز سے روکتا ہے

قرآن مجید اور احادیث کا گہرا مطالعہ کرنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اس معاملے میں

اسلام کا مزاج یہ ہے اگر کوئی خطرناک چیز کافی فاصلے پر ہو تو مومن کو چاہیئے کہ اس کی جانب محض اس خیال سے نہ بڑھتا چلا جائے کہ اس کے قریب پہنچ کر تو میں رُک ہی جاؤں گا ــــــ اس کے برعکس اسلام تو خطرے کی سرحد جہاں سے شروع ہوتی ہے وہیں سے آپ کو روکتا ہے اور ایک قدم بھی اس کی طرف بڑھانے کو پسند نہیں کرتا۔ اب چونکہ اسلام رہبانیت کو سخت ناپسند کرتا ہے اور روزے کے معاملے میں یہ بیماری اس مقام سے لگتی ہے کہ روزہ کھولنے کا وقت ہو گیا ہو لیکن آپ محض اس لیے تاخیر کریں کہ اس تاخیر کے ذریعے سے جتنی زیادہ دیر آپ اپنے جسم کو تکلیف دیں گے خدا اتنا ہی زیادہ آپ سے خوش ہو گا اس لیے اس معاملے میں تنبیہ کر دی گئی کہ اگر تم نے ایسا کیا تو یہ چیز تمہیں خیر سے محروم کر دے گی اور اللہ کی خوشنودی کے بجائے اُلٹی اس کی ناراضی کی موجب ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کی حقیقی خوشنودی تو اس بات میں ہے کہ آپ اس کے احکام کی پیروی کریں، اس کی عاید کردہ پابندیوں کو قبول کریں اور اس کی دی ہوئی اجازتوں سے فائدہ اُٹھائیں۔ جو چیز اس نے آپ کے لیے حلال کی ہے اس سے آپ پوری طرح متمتع ہوں اور جس چیز کو اُس نے حرام ٹھہرایا ہے اس سے آپ رُک جائیں اور اپنی طرف سے اس کے احکام میں کوئی کمی بیشی نہ کریں۔ یہی فرمانبرداری وہ چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ آپ پر خوش ہوتا ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگ بھلائی پر رہیں گے جب تک کہ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے افطار کا جو وقت مقرر کر دیا ہے اسی پر افطار کرنا اللہ کو محبوب ہے اور اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔

روزہ کھولنے کا صحیح وقت

۲۹۔ عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ، اِذَا اَقْبَلَ اللَّیْلُ مِنْ ھٰھُنَا وَ اَدْبَرَ النَّھَارُ مِنْ ھٰھُنَا وَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب رات اس طرف سے آنی شروع ہو اور دن اس طرف سے پلٹنا شروع ہو اور سورج ڈوب جائے تو روزہ دار کے روزہ کھولنے کا وقت ہو گیا۔" (متفق علیہ)

یعنی مشرق کی طرف سے اگر رات کی تاریکی بلند ہونی شروع ہو جائے اور معلوم ہو کہ تاریکی ابھرتی چلی آ رہی ہے اور دوسری طرف مغرب کی جانب یہ کیفیت ہو کہ سورج غروب ہو چکا ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ دن پلٹ رہا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ روزہ کھولنے کا وقت ہو گیا ہے اور آپ کو فوراً روزہ کھول لینا چاہیئے۔

اگر روزہ کھولنے کا وقت ہو گیا ہو اور اس کے بعد آپ سوچ رہے ہوں کہ روزہ کھولیں یا نہ کھولیں تو یہ بات غلط اور شریعت کی روح کے منافی ہے۔ افطار کا وقت ہوتے ہی بلا تاخیر روزہ کھولنا چاہیئے۔

صومِ وصال رکھنا جائز نہیں

۳۰۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِی الصَّوْمِ فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ اِنَّکَ تُوَاصِلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ وَ اَیُّکُمْ مِثْلِیْ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فی الصوم سے منع فرمایا۔ اس پر ایک شخص نے حضورؐ سے عرض کیا

یارسول اللہ، آپ بھی تو وصال فی الصوم فرماتے ہیں۔ حضور نے فرمایا،
تم میں سے کون میرے مانند ہے۔ میں تو اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ
میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ (متفق علیہ)

اس حدیث میں ایک بڑا اہم مسئلہ بیان ہوا ہے۔ اہل کتاب میں روزہ رکھنے کے
جو مختلف طریقے رائج تھے ان میں سے ایک صومِ وصال کا طریقہ تھا اس کی بھی مختلف شکلیں
تھیں۔ ایک شکل یہ تھی کہ ایک شخص فرض روزوں کے ماسوا نفلی روزے اس طریقے سے
رکھے کہ بغیر وقفہ کیے مسلسل مہینے مہینے، دو دو مہینے کے روزے رکھتا چلا جائے۔ اہلِ
کتاب میں سے بعض لوگ ایسا کرتے تھے اور کچھ لوگ تو ایسے بھی ہوتے تھے جو اَبدًا صومِ
وصال رکھتے تھے، ــــــ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کردہ روزوں کے
علاوہ باقی دنوں میں بھی وہ روزہ دار ہی رہتے تھے۔ صومِ وصال کی دوسری شکل یہ تھی
کہ ایک شخص ایک سحری کھا کر دوسری سحری تک مسلسل روزہ رکھے اور درمیان میں افطار
نہ کرے۔ بلکہ بعض اوقات دو دو، تین تین دن کا روزہ مسلسل رکھے۔ اہل کتاب میں
صومِ وصال کی یہ دونوں شکلیں رائج تھیں ــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
اہلِ اسلام کو روزے کے اس طریقے یعنی وصال فی الصوم سے منع فرمایا کیونکہ یہ اہلِ کتاب
کا طریقہ تھا ــــــ البتہ اس جگہ یہ معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے یہ جو عرض کیا گیا کہ آپ بھی تو صومِ وصال رکھتے ہیں تو یہاں حضورؐ کے صومِ وصال
سے کیا مراد ہے۔ آیا آپؐ ایک سحری سے دوسری سحری تک روزہ رکھتے تھے یا طویل
عرصے تک مسلسل روزے رکھتے تھے۔ اغلب یہ ہے کہ حضورؐ ایک سحری سے دوسری
سحری تک کا روزہ نہیں رکھتے تھے بلکہ مسلسل نفل روزے رکھتے تھے۔ البتہ کبھی ایسا ہوتا تھا
کہ آپ ایک مدت تک روزے نہیں بھی رکھتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود صومِ وصال رکھنا آپ کی ان خصوصیات میں

سے ہے جن کی تقلید دوسرے مسلمانوں کے لیے جائز نہیں، کیونکہ حضورؐ نے خود اس بات کی وضاحت فرما دی کہ تم میں سے کوئی میرے جیسا نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِی

روزے کی نیت کرنا ضروری ہے

۳۱- عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَّمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهٗ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے فجر سے پہلے روزہ رکھنے کا فیصلہ نہ کر لیا اس کا کوئی روزہ نہیں۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

اس ارشاد سے مقصود یہ ہے کہ جب آپ کسی عبادت کا آغاز کرنے لگیں تو اس وقت یہ نیت کریں کہ میں یہ عبادت اللہ کیلئے کر رہا ہوں۔ یہ بات اسلیے ارشاد فرمائی کہ آدمی کھاتا پیتا تو فاقے میں بھی نہیں لیکن جو چیز روزے اور فاقے میں فرق کرتی ہے وہ یہ ہے کہ روزہ رکھتے وقت آپ اس بات کی نیت کرتے ہیں کہ میں اس وقت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے طور پر کھانا پینا ترک کر رہا ہوں۔ اگر آپ نے یہ نیت نہ کی تو بظاہر روزے اور فاقے میں کوئی فرق نہ رہا۔

روزے کا آغاز چونکہ فجر سے ہوتا ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فجر کے وقت سے پہلے یہ عزم کر لو کہ تم اللہ کے لیے روزہ رکھ رہے ہو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تم نے روزے اور فاقے میں کوئی امتیاز قائم نہیں کیا۔

تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اگر ایک آدمی فجر سے پہلے روزے کی

نیت کرنا بھول گیا تو اس کا روزہ ہی ساقط ہو گیا اور اسے بعد میں اس کی قضا ادا کرنا ہو گی۔ ایسا نہیں ہے بلکہ اگر آپ روزہ رکھتے وقت یہ نیت کرنی بھول گئے ہوں تو جس وقت آپ کو یاد آئے اُسی وقت روزے کی نیت کر لیں، ورنہ یہ بات اپنی جگہ پر تو واضح ہے کہ آپ کی نیت روزے کی موجود ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جب آپ سحری کے لیے اُٹھے تھے تو یہ سمجھتے ہوئے ہی تو اُٹھے تھے کہ آپ کو روزہ رکھنا ہے۔ اس لیے اگر روزہ رکھتے وقت آپ یہ الفاظ زبان سے ادا نہیں کر سکے کہ میں آج اللہ کے لیے روزہ رکھ رہا ہوں یا دل میں اس کا خیال عین آغازِ صوم کے وقت نہیں آیا تو اس سے روزہ باطل نہیں ہو جاتا ——— البتہ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ شریعت میں چونکہ اصل اہمیت نیت کو حاصل ہے اور اعمال کی قدر و قیمت بھی نیت ہی کی بنا پر متعین ہوتی ہے اس لیے شریعت کی نظر میں ایک فعل کو دوسرے فعل سے ممتاز کرنے والی چیز آدمی کی نیت ہے۔ اسی وجہ سے ارشاد فرمایا کہ فجر سے پہلے آدمی کو چاہیئے کہ وہ بالارادہ اس بات کی نیت کرے کہ میں آج روزہ رکھ رہا ہوں۔ ورنہ اس کے بغیر محض ظاہری فعل کی حد تک روزے اور فاقے میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

سحری کے وقت میں گنجائش ہوتی ہے

۳۲۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ اَحَدُكُمْ وَالْاِنَاءُ فِیْ یَدِهٖ فَلَا یَضَعْهُ حَتّٰی یَقْضِیَ حَاجَتَهٗ مِنْهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اذان کی آواز سنے اور اس وقت

برتن ابھی اس کے ہاتھ میں ہو تو وہ اس برتن کو اپنے ہاتھ سے نہ رکھے جب تک کہ اپنی حاجت اس سے پوری نہ کرلے۔ (ابوداؤد)

یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سحری کے وقت نقّارے اور سائرن نہیں بجتے تھے بلکہ لوگوں کو اذان کے ذریعے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ سحری کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ گرمی کا زمانہ ہے اور لوگ باہر کھلی جگہ میں سو رہے ہیں تو اس حالت میں ہر شخص خود یہ دیکھ سکتا تھا کہ روزہ شروع ہونے کا وقت ہو گیا ہے یا نہیں۔ ——— اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ بارش اور جاڑے کا زمانہ ہے اور لوگ گھروں کے اندر سحری کر رہے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ ضروری نہیں تھا کہ سب لوگ باہر نکل نکل کر دیکھیں کہ سحری کا وقت ختم ہو گیا ہے یا نہیں۔ اس لیے فرمایا کہ جب سحری کے وقت اذان کی آواز تمھارے کان میں پڑے اور صورت یہ ہو کہ ایک آدمی پانی پی رہا ہے اور اس کے ہاتھ میں برتن ہے تو ضروری نہیں کہ اللہ اکبر کی آواز سنتے ہی وہ اسے رکھ دے بلکہ اسے اجازت ہے کہ وہ اس میں سے اپنی ضرورت پوری کرلے۔

قرآن مجید اور احادیث میں سحری کے خاتمے کے وقت کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے، اور عام مشاہدہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ سیکنڈوں کے حساب سے نہیں ہے کہ ایک سیکنڈ ادھر تو سحری کا وقت ہو اور ایک سیکنڈ اُدھر جاتے ہی سحری کا وقت ختم ہو جائے۔ ختمِ سحر اور طلوعِ فجر دراصل ایک بڑا مظہرِ فطرت ہے جسے آدمی مشرق کی طرف دیکھتا ہے۔ مشرق سے سپیدی ابھرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ آغاز میں ایک ہلکی سی دھاری نمودار ہوتی ہے جو یہ بتاتی ہے کہ اب گویا فجر کا آغاز ہو رہا ہے اور رات ختم ہو رہی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ طلوعِ فجر (Dawn) کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو سیکنڈوں کے حساب سے

ہو بلکہ وداع شب اور طلوع فجر میں چند منٹ کا فرق ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ جب آدمی اذان کی آواز سنتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس سے ایک سیکنڈ پہلے تک تو سحری کا وقت تھا لیکن موذن کی زبان سے اللہ کا لفظ نکلتے ہی یہ وقت ختم ہو گیا۔ اس طرح کی موشگافیاں کرنا درست نہیں سیدھی بات یہ ہے کہ اگر اتفاق سے کبھی ایسا ہو کہ آپ سوتے رہ گئے اور آنکھ کھلنے پر آپ نے ابھی چند لقمے ہی لیے تھے کہ سائرن بج گیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ فوراً ہاتھ روک لیں یا برتن اپنے منہ سے ہٹا لیں بلکہ جلدی جلدی تھوڑا بہت جو کچھ بھی آپ کھا پی سکتے ہیں آپ کو کھا لینا چاہیئے۔

اس حدیث میں یہی بات فرمائی گئی ہے کہ جب تم اذان کی آواز سنو یا سحری کے خاتمے کا کوئی دوسرا اعلان ہو رہا ہو اور اس وقت تمہارے ہاتھ میں کوئی برتن ہو تو اسے رکھ مت دو بلکہ اس سے اپنی حاجت پوری کر لو۔

تاہم اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر اطمینان سے بیٹھا کھاتا رہے بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ جلدی سے اپنی ضرورت پوری کر لینی چاہیئے۔

افطار میں جلدی کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں

۲۳۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللهُ تَعَالٰى اَحَبُّ عِبَادِیْ اِلَیَّ اَعْجَلُهُمْ فِطْرًا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ مجھے اپنے بندوں میں

سے سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں جو افطار میں جلدی کرنے والے ہیں۔

(ترمذی)

افطار کے لیے افضل چیزیں

۴۴- عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَفْطَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى تَمْرٍ فَإِنَّهُ بَرَكَةٌ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى مَاءٍ فَإِنَّهُ طَهُورٌ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی شخص افطار کرے تو اُسے چاہیئے کہ کھجور سے افطار کرے کیونکہ اس میں برکت ہے، اور اگر کھجور نہ پائے تو اُسے چاہیئے کہ پانی سے افطار کرے کیونکہ وہ پاک ہے۔

(احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

۴۵- عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ عَلَى رُطَبَاتٍ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ رُطَبَاتٌ فَتُمَيْرَاتٌ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تُمَيْرَاتٌ حَسَا حَسَوَاتٍ مِنْ مَاءٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ یہ تھا کہ آپ (مغرب کی) نماز پڑھنے سے پہلے چند تازہ کھجوروں سے روزہ کھولتے۔ اگر تازہ کھجوریں نہ ملتیں تو چھوہاروں سے افطار کرتے

اور اگر چھوہارے بھی نہ ملتے تو چند گھونٹ پانی کے نوش فرماتے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ یہ تھا کہ آپ پہلے روزہ افطار کرتے تھے اور پھر نماز پڑھتے تھے۔ افطار میں آپ کا دستور یہ تھا کہ آپ تازہ کھجور سے افطار کرتے (تازہ کھجور سے یہ مراد نہیں کہ ابھی درخت سے اتری ہو بلکہ وہ کھجور مراد ہے جو خشک نہ ہو یعنی تر کھجور، جیسے ہم یہاں کھجور استعمال کرتے ہیں — اگر کھجور نہ ملتی تو پھر آپ چھوہاروں سے روزہ کھولتے تھے۔ اور اگر کبھی اتفاق سے وہ بھی نہ ہوتے تو پانی کے ایک دو گھونٹ پی کر روزہ افطار فرماتے۔

روزہ افطار کرانے والے کا اجر

۲۶۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا أَوْ جَهَّزَ غَازِيًا فَلَهٗ مِثْلُ أَجْرِهٖ

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَمُحْيِ السُّنَّةِ)

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص کسی روزہ دار کا روزہ کھلوائے یا کسی غازی کیلئے سامانِ (جہاد) فراہم کر کے دے تو اس کو ویسا ہی اجر ملے گا جیسا کہ اس روزہ دار کو روزہ رکھنے کا اور غازی کو جہاد کرنے کا ملے گا۔ (بیہقی، محی السنۃ)

شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ نیکی کرنے والے کے لیے تو اس کی نیکی کا اجر ہے ہی، لیکن جو اس کو نیکی کے ذرائع فراہم کر کے دے اس کے لیے بھی اجر ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص کسی کو نیکی کرنے کے لیے کہے تو اس کے لیے بھی اجر ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ (نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا اس نیکی کے کرنے والے کے مانند ہے۔) ——— پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ نیکی کرنے والے کے اجر میں سے

کوئی حصہ لے کر اس شخص کو دے دیا جائے گا جس نے نیکی کے ذرائع اور وسائل بہم پہنچائے تھے بلکہ نیکی کرنے والے کو اس کا پورا اجر ملے گا اور اس نیکی کے لیے سفارش کرنے والے اور اس میں مددگار بننے والے کو بھی اپنا اپنا اجر ملے گا۔

کسی روزہ دار کا روزہ کھلوا دینا بظاہر معمولی سی بات ہے لیکن اس کا جو اجر ارشاد فرمایا گیا وہ کہیں بڑا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ محض نیکی کی طرف رغبت دلانا بھی اللہ تعالیٰ کی نظر میں بڑا محبوب فعل ہے کیونکہ اس سے نیکیوں کے پھیلنے میں مدد ملتی ہے اور انسانی خیر و فلاح کا وہ کام انجام پاتا ہے جو دین کا مقصود ہے۔

افطار کے وقت کی مسنون دُعائیں

۳۷- عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَفْطَرَ قَالَ : ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ . (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قاعدہ تھا کہ جب آپ روزہ افطار کرتے تو فرماتے کہ تشنگی دور ہوگئی اور رگیں تر ہوگئیں اور اجر ثابت ہوگیا اگر اللہ چاہے۔ (ابوداؤد)

روزہ کھولتے وقت جو مختلف دعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں ان میں سے ایک دعا یہ بھی ہے۔ یعنی حضورؐ روزہ کھولتے وقت یہ الفاظ ادا فرمایا کرتے تھے۔

۳۸- عَنْ مُعَاذِ بْنِ زُهْرَةَ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَفْطَرَ قَالَ : اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ

وَعَلٰی رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ مُرْسَلًا)

حضرت معاذ بن زہرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطار کرتے تھے تو فرماتے تھے: اے اللہ! تیرے ہی لیے میں نے روزہ رکھا، اور تیرے ہی رزق پر میں نے افطار کیا۔

(ابوداؤد)

اگر ایک آدمی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ کوئی فریضہ انجام دیتا ہے تو اس کا یہ فعل بذاتِ خود اپنی ایک قدر و قیمت رکھتا ہے اور اس پر وہ اجر کا مستحق ہے لیکن اس فریضے کی انجام دہی کے دوران میں اس کی دو حالتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ غفلت کے ساتھ اسے انجام دے اور دوسری یہ کہ وہ اس کے دوران میں مسلسل اپنے رب کی طرف راغب رہے اور اس کا ذکر کرتا رہے۔ ان دونوں حالتوں میں اجر اور مقبولیت کے لحاظ سے بڑا فرق ہے ــــ ایک شخص کا کسی فریضے کی انجام دہی کے دوران میں اللہ تعالیٰ کی طرف اہتمام کے ساتھ متوجہ رہنا اس کے اجر کو کہیں زیادہ بڑھا دیتا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیے کہ آپ نماز کے لیے وضو کر رہے ہیں اور آپ نے وہ سارے اعضاء ٹھیک ٹھیک دھوئے ہیں جو وضو میں دھونے چاہئیں۔ اسطرح بیشک آپ نماز میں کھڑے ہونے کے قابل ہو گئے۔ لیکن اگر اس وضو کے دوران میں آپ مختلف اعضاء دھونے کے ساتھ ساتھ اللہ کا ذکر بھی کرتے رہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے یہ وضو اللہ سے غفلت کی حالت میں نہیں کیا اسی لیے آپ کے اس وضو کی قدر و قیمت ہی کچھ اور ہو گئی یہی مثال روزے کی ہے۔ اگر آپ سحری کا وقت ختم ہونے سے لے کر افطار کے وقت تک کچھ کھائیں پئیں نہیں تو آپ کا روزہ مکمل ہو جائے گا۔ لیکن اس روزے کے دوران میں اگر آپ خدا کو یاد بھی کرتے رہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ

نے اس روزے کے اجر اور قدر و قیمت کو بہت زیادہ بڑھا لیا۔ دوسرے الفاظ میں روزے کے دوران میں غفلت کے ساتھ وقت گزارنے اور اس کے برعکس اللہ کو یاد کرتے ہوئے وقت گزارنے میں اجر و مقبولیت کے لحاظ سے زمین و آسمان کا فرق ہے ——— پھر دیکھئے کہ جب روزہ ختم ہو جاتا ہے تو آپ کو حق پہنچتا ہے کہ آپ فوراً ایک کھجور یا افطاری کی کوئی چیز اُٹھائیں اور کھالیں۔ لیکن افطار کرتے وقت بھی اگر آپ اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہے ہیں اور اس سے پہلے کہ آپ اپنے منہ میں کوئی چیز رکھیں آپ کہتے ہیں کہ خدایا تیرے ہی لیے میں نے روزہ رکھا اور تیرے ہی دیتے ہوئے رزق پر یہ روزہ افطار کر رہا ہوں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے غفلت کی حالت میں بھوکے پیاسے نہیں رہے اور نہ روزہ افطار کرتے وقت ہی اس کی یاد سے غافل ہو گئے۔ بلکہ ہر لحظہ آپ نے اس کی یاد کو تازہ رکھا۔ اس طرح گویا آپ نے اپنے اس روزے کے اجر کو کئی گنا زیادہ بڑھا لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا طریقہ بھی یہی تھا اور اسی کی آپ نے لوگوں کو تعلیم دی کہ اگر اللہ تعالیٰ کی ایک عبادت کرتے ہوئے دوسری عبادتیں بھی ساتھ ساتھ شامل ہو جائیں تو خود اس عبادت کی قدر و قیمت کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

افطار میں تاخیر کرنا یہود و نصاریٰ کی روش ہے

۳۹۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، لَا یَزَالُ الدِّیْنُ ظَاهِرًا مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ لِاَنَّ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی یُؤَخِّرُوْنَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دین نمایاں اور غالب رہے گا جب تک کہ لوگ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے کیونکہ یہود اور نصاریٰ افطار کرنے میں تاخیر کرتے ہیں۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بظاہر ایک چھوٹی سی بات کے کتنے بڑے نتائج بیان فرمائے ہیں۔

روزہ کھولنے میں تاخیر کرنا اور سحری نہ کھانا اور صوم وصال رکھنا، یہ سب افعال یہود و نصاریٰ نے اپنا رکھے تھے ——— یہی چیز تھی جس نے رفتہ رفتہ اُن کے اندر رہبانیت پیدا کی اور انھیں زندگی سے فرار کر کے گوشوں میں پناہ لینے کی طرف راغب کیا۔ لیکن دینِ خداوندی کا منشا اس سے بالکل مختلف ہے۔ اللہ کے دین کا منشا یہ ہے کہ یہ دنیا انسانوں ہی کے لیے پیدا کی گئی ہے اور اس کی لذتیں اور آسائشیں اور دوسرے سروسامان انسانوں ہی کے لیے ہیں۔ البتہ انسان کا کام یہ ہے کہ وہ ان ساری چیزوں کو اللہ کے مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرے اور ان حدود سے سرِ مو انحراف اور تجاوز نہ کرے ——— پس ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ شریعت نے اس کو جو سہولت اور گنجائش دی ہے اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھائے۔ البتہ اس سہولت کی جو حد مقرر کر دی گئی ہے اس پر جا کر رُک جائے۔ سحری کا وقت ختم ہونے کے بعد تو یہ پابندی ہے کہ جب تک سورج غروب نہ ہو جائے تم کچھ کھانے پینے کا حق نہیں رکھتے لیکن سورج ڈوبتے ہی تمھیں حق پہنچتا ہے کہ کھاؤ پیو۔ اس سے یہ بات اچھی طرح سمجھی جا سکتی ہے کہ روزہ افطار کرنے میں یہود اور نصاریٰ کا تاخیر کرنا در اصل رہبانیت کا ایک شاخسانہ تھا اور اپنے رب سے بدگمانی اس کی جڑ تھی۔ ان کا تصور یہ تھا کہ ان کا رب اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ اپنے

جسم کو اذیتوں میں مبتلا کیا جائے لیکن یہاں تصور یہ ہے کہ آپ کے رب کو آپ کی اطاعت و فرمانبرداری مطلوب ہے اور اس کو وہ پسند کرتا ہے۔ چنانچہ وہ اگر ایک وقت میں پانی جیسی حلال چیز آپ کے لیے حرام کر دیتا ہے تو آپ کا کام یہ ہے کہ اس کے استعمال سے رُک جائیں۔ لیکن جس وقت وہ اسے آپ کے لیے حلال کر دے تو آپ فوراً اس سے فائدہ اُٹھائیں ——— اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک تم یہود اور نصاریٰ کے اس طریقے کے خلاف افطار میں جلدی کرتے رہو گے تمہارا دین غالب اور نمایاں رہے گا۔ لیکن جس وقت تم نے اس میں تاخیر کرنی شروع کر دی تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اب تم نے دین کی اصل اسپرٹ کو ضائع کر دیا، اور اب چلے تم سیدھے رہبانیت کی طرف۔ اس طرح جب تم نے اپنا طریقہ چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کے طرزِ عمل کو اختیار کر لیا تو اس کے بعد تمہارا دین غالب کیسے رہ سکتا ہے۔ ایک مسلمان کا کام تو یہ ہے کہ جس چیز میں یہود و نصاریٰ کے اخلاق و عادات اور تہذیب و تمدن کی تقلید کا شائبہ بھی موجود ہو اس سے کھٹک جائے اور اس سے بچے کیونکہ ان کی تقلید اختیار کرنا خود اپنے دین کو نقصان پہنچانا ہے۔ اس کے بعد تمہارا دین اپنی اصلی شان کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پہلے ایک چیز کی تقلید کرو گے اور پھر دوسری کی۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ حالت یہ ہو جائے گی کہ تمہارے اندر ایک سچے مسلمان کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہے گا۔ اسی لیے حکم دیا گیا کہ جس مقام سے بگاڑ کا آغاز ہوتا ہے وہیں پر رُک جاؤ، کیونکہ اگر اس مقام پر نہ رُکے تو پھر آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاؤ گے۔

——— اور اسی بنا پر اتنی بڑی بات فرمائی کہ تمہارا دین غالب اور نمایاں رہے گا اگر تم یہود اور نصاریٰ کی روش کے برعکس افطار کرنے میں جلدی کرتے رہے۔

روزہ کھولنے اور نماز پڑھنے میں جلدی کرنا مسنون ہے

۴۰- عَنْ اَبِیْ عَطِیَّةَ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَمَسْرُوْقٌ عَلٰی عَائِشَةَ فَقُلْنَا یَا اُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ رَجُلَانِ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَحَدُهُمَا یُعَجِّلُ الْاِفْطَارَ وَیُعَجِّلُ الصَّلٰوةَ وَالْاٰخَرُ یُؤَخِّرُ الْاِفْطَارَ وَیُؤَخِّرُ الصَّلٰوةَ قَالَتْ اَیُّهُمَا یُعَجِّلُ الْاِفْطَارَ وَ یُعَجِّلُ الصَّلٰوةَ قُلْنَا عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ هٰکَذَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالْاٰخَرُ اَبُوْ مُوْسٰی۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو عطیہؒ بیان کرتے ہیں کہ میں اور مسروقؒ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ہم نے عرض کیا: اے اُمّ المومنین رضؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے دو صاحب ایسے ہیں کہ ان میں سے ایک تو افطار کرنے اور نماز پڑھنے میں جلدی کرتے ہیں اور دوسرے افطار اور نماز دونوں میں تاخیر کرتے ہیں۔ اُمّ المومنین رضؓ نے دریافت فرمایا کون صاحب ہیں جو افطار اور نماز میں جلدی کرتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا، عبداللہ بن مسعود رضؓ۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے ــــــ دوسرے صاحب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ ہیں۔ (مسلم)

یہاں پہلے تاخیر اور تعجیل (جلدی کرنے) کا مفہوم سمجھ لینا چاہیئے:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تعجیل کرنے سے مراد اُن کا یہ عمل تھا کہ ادھر روزہ افطار کرنے کا وقت ہوا اور اُدھر آپ نے روزہ افطار کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے لیکن حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا طریقہ یہ تھا کہ افطار کا وقت ہو جانے کے بعد قدرے تامل کرتے تھے کیونکہ افطار کے وقت کا ٹھیک ٹھیک تعین ہونے اور اس کا اطمینان حاصل کرنے کیلئے کچھ توقف کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ جب آفتاب غروب ہوتا ہے تو اس وقت اگر ذرا سی کرن بھی نظر آ رہی ہو تو آپ اس میں شبہ کرتے ہیں کہ کیا واقعی سورج غروب ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس بات کا یقین حاصل کرنے کے لیے چند لمحے کا انتظار کیا جا سکتا ہے۔

پہلے صاحب یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو غروبِ آفتاب کے فوراً بعد روزہ کھولتے تھے اور نماز میں بھی جلدی کرتے تھے۔ لیکن حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ روزہ کھولنے میں بھی قدرے تاخیر کرتے تھے اور نماز سے پہلے بھی کچھ دیر ٹھہرتے تھے (اور کچھ نہ کچھ کھا پی لیتے تھے)۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کے روزہ کھولنے کا انتظار کرتے تھے تاکہ وہ بھی اطمینان سے روزہ افطار کر کے نماز میں شریک ہو جائیں۔

اِس تعجیل اور تاخیر کے معاملے میں ایک یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں عام لوگوں کے لیے کچھ سہولت اور کچھ دقّت کے پہلو ہیں۔ مثلاً افطار کے بعد مسجد میں نماز جلدی ہونے کی صورت میں دیر سے آنے والوں کو دقّت ہوتی ہے، لیکن جو لوگ افطار کے وقت موجود ہوتے ہیں انھیں انتظار کی زحمت اُٹھانا پڑتی ہے۔ تاہم اس معاملے میں حضرت عائشہؓ کے ارشاد کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ تھا کہ آپ افطار میں بھی

جلدی کرتے تھے اور نماز میں بھی ——— حضرت عائشہؓ کے اس قول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انھوں نے ان دونوں صاحبوں میں سے ایک کو صحیح اور دوسرے کو غلط قرار دیا ہے بلکہ صرف یہ بتایا ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل کیا تھا اور اس میں مسنون طریقہ کیا ہے ——— اس لیے یہ بات واضح رہنی چاہیئے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے طریقے کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے عمل کی گنجائش بھی شریعت میں موجود ہے کیونکہ وہ جس تاخیر سے کام لیتے تھے وہ بیہودہ والی تاخیر نہیں تھی۔ روزہ افطار کرنے سے پہلے غروبِ آفتاب کا اطمینان کرنے کے لیے کچھ توقّف کرنے کی گنجائش بالکل قابلِ فہم ہے۔ ہاں شرط یہ ہے کہ اس کا محرّک جان بوجھ کر تاخیر کرنے یا راہبانہ احتیاط پسندی کا جذبہ نہ ہو۔

سحری کا کھانا ایک مبارک ناشتہ ہے

۴۱۔ عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ دَعَانِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى السَّحُورِ فِي رَمَضَانَ فَقَالَ: هَلُمَّ إِلَى الْغَدَاءِ الْمُبَارَكِ۔

(رَوَاهُ أَبُودَاؤدَ وَالنَّسَائِي)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے ساتھ سحری کھانے کے لیے بلایا اور فرمایا کہ آؤ مبارک ناشتے کیلئے۔

(ابوداؤد، نسائی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کے مطابق سحری فقط سحری

نہیں ہے بلکہ ایک مبارک ناشتہ ہے۔

یہود یہ سمجھتے تھے کہ اگر سحری کھا کر روزہ رکھا تو کیا رکھا لیکن اسلامی شریعت میں اس تصوّر کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے کہ روزہ صرف دن کا ہے اور رات اس میں شامل نہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ رات کو کھانے پینے کی مکمل آزادی ہے اور اس آزادی سے خود کو محروم کرنا درست نہیں۔ رات کو اُٹھ کر سحری کھانا تو ایک مبارک ناشتہ ہے جس کے ساتھ ہم روزے کا آغاز کرتے ہیں۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ روزہ شروع ہونے سے پہلے کچھ غذا کھا لی جائے تاکہ دن بھر کام کاج کرنے اور دوسرے ضروری اُمور سر انجام دینے کی طاقت ہمیں حاصل رہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو کر بیکار پڑ جائیں۔ یہ دین کا مقصود نہیں ہے۔

——— دین کا مقصود تو یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی بھی کریں اور ہمارے اندر کام کرنے کی طاقت بھی رہے تاکہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے جو فرائض اور ذمہ داریاں ہم پر عائد ہوتی ہیں ہم انہیں بتمام و کمال ادا کر سکیں۔ عبادت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ آپ کاروبارِ دنیا سے کٹ کر اور ناکارہ ہو کر الگ گوشوں میں جا بیٹھیں، بلکہ عبادت تو درحقیقت اس بات کا ایک تربیتی کورس ہے کہ آپ ہنگامہ زارِ حیات میں اللہ تعالیٰ کے احکام و ہدایات کی پابندی کرتے ہوئے کس طرح زندگی گزاریں تاکہ آخرت میں اس کی خوشنودی حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔

بہترین سحری کھجور ہے

۴۲- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نِعْمَ سَحُوْرُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کے لیے بہترین سحری کھجور ہے۔ (ابو داؤد)

کھجور میں انسان کی تمام غذائی ضروریات پوری کرنے کی صلاحیت بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ اگر انسان کو کوئی اور غذا نہ مل سکے لیکن کھجور حاصل ہو تو یہ اس کے لیے کافی غذا ہے۔ موجودہ تحقیق کے مطابق انسان کو اپنی توانائی برقرار رکھنے کے لیے غذا کی جتنی کلوریاں درکار ہوتی ہیں وہ کھجور میں موجود ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں بھی جب فوجوں کو کسی صحرائی علاقے میں لمبے عرصے کے لیے قیام کرنا پڑتا ہے اور وہاں غذا مہیا کرنے کے تمام مواقع موجود نہیں ہوتے تو کھجوروں کا کافی سٹاک فوج کے لیے فراہم کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح اگر کئی ماہ تک کوئی اور غذا میسر نہ آئے تو محض کھجور پر انحصار کیا جا سکتا ہے۔

کھجور کی اسی افادیت اور بھرپور غذائیت کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بہترین سحری قرار دیا ہے۔ سحری کے طور پر اس کے استعمال کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ دن کے وقت آدمی کو اپنی طاقت و توانائی برقرار رکھنے اور کام کاج کے قابل رکھنے میں بہت زیادہ مددگار ثابت ہوتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

ہزار مہینوں سے بہتر رات

٦- عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَتَاکُمْ رَمَضَانُ، شَھْرٌ مُّبَارَکٌ، فَرَضَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ صِیَامَہٗ، تُفْتَحُ فِیْہِ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَتُغْلَقُ فِیْہِ اَبْوَابُ الْجَحِیْمِ وَتُغَلُّ فِیْہِ مَرَدَۃُ الشَّیَاطِیْنِ، لِلّٰہِ فِیْہِ لَیْلَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ، مَنْ حُرِمَ خَیْرَھَا فَقَدْ حُرِمَ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم پر رمضان کا مبارک مہینہ آیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تم پر روزے فرض کئے ہیں۔ اس میں آسمان (یعنی جنت) کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور سرکش شیاطین باندھ دیئے جاتے ہیں۔ اس میں اللہ کی طرف سے ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ جو اس

رات کی بھلائی سے محروم رہا وہ بس محروم ہی رہ گیا۔ (احمد، نسائی)

یہ حدیث بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن خطبات میں سے ہے جو آپؐ رمضان المبارک کی آمد کے موقع پر صحابہ کرامؓ کو اس مبارک مہینے کی اہمیت اور برکات سے آگاہ فرمانے کے لیے دیا کرتے تھے۔ اس میں آپؐ نے پہلی بات یہ بتائی کہ رمضان بڑی ہی برکت والا مہینہ ہے اور اس کے روزے اُمت پر فرض کئے گئے ہیں۔

بَرَکَت کے اصل معنی ہیں افزائش کے۔ رمضان کے مہینے کو مبارک مہینہ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کے اندر بھلائیاں نشوونما پاتی ہیں اور نیکیوں کو افزونی نصیب ہوتی ہے۔ اس کے برعکس برائیاں بڑھنے کے بجائے سکڑتی چلی جاتی ہیں اور ان کی ترقی رُک جاتی ہے۔

دوسری بات یہ فرمائی: اس مہینے میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔

اس سے مراد لَیۡلَۃُ الۡقَدۡر ہے۔ یعنی وہ رات جس میں قرآن مجید نازل ہوا، جیسا کہ خود قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ۝ وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۝ لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۬ۙ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَہۡرٍ ۝

"ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔ اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کا نزول انسانیت کے لیے عظیم الشان خیر کی حیثیت رکھتا ہے اور انسان کے لیے اس سے بڑی کوئی خیر نہیں ہوسکتی۔ اس لیے فرمایا گیا کہ وہ رات جس میں یہ قرآن مجید نازل ہوا ہے ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ دوسرے لفظوں میں پوری انسانی تاریخ میں کبھی ہزار مہینوں

میں بھی انسانیت کی بھلائی کے لیے وہ کام نہیں ہوتا ہے جو اس ایک رات میں ہوتا ہے۔ ہزار مہینوں کے لفظ کو گنے ہوئے ہزار نہ سمجھنا چاہیئے بلکہ اس سے بہت بڑی کثرت مراد ہے ——— چنانچہ اس رات میں، جو اپنی بھلائی کے لحاظ سے ہزار مہینوں سے بھی افضل ہے، جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اس سے لو لگائی اس نے بہت بڑی بھلائی حاصل کر لی ——— کیونکہ اس رات میں بندے کا اللہ کی طرف رجوع کرنا یہی معنی تو رکھتا ہے کہ اسے اس رات کی اہمیت کا پورا پورا احساس ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر یہ کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ اپنا کلام نازل فرمایا۔ اس لیے جس آدمی نے اس رات میں عبادت کا اہتمام کیا گویا اُس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ اس کے دل میں قرآن مجید کی صحیح قدر و قیمت کا احساس موجود ہے۔

جو اس رات کی بھلائی سے محروم رہا وہ محروم ہی رہ گیا

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص اس رات میں اللہ کی عبادت کے لیے کھڑا نہیں ہوتا تو گویا اُسے قرآن مجید کی اُس نعمتِ عظمیٰ کا احساس ہی نہیں ہے جو اس رات میں اللہ تعالیٰ نے اتاری تھی۔ اگر اُسے اس بات کا احساس ہوتا تو وہ ضرور رات کے وقت عبادت کے لیے کھڑا ہوتا اور شکر ادا کرتا کہ اے اللہ یہ تیرا احسانِ عظیم ہے کہ تو نے مجھے قرآن جیسی نعمت عطا فرمائی ہے۔ بے شک یہ بھی تیرا احسان ہے کہ تو نے مجھے کھانے کے لیے روٹی اور پہننے کے لیے لباس، عنایت فرمایا۔ لیکن تیرا اصل احسان عظیم مجھ پر یہ ہے کہ تو نے مجھے ہدایت دی اور دینِ حق کی روشنی دکھائی۔ مجھے تاریکیوں میں بھٹکنے سے بچایا اور علم حقیقت کی وہ روشن شمع عطا کی جس کی وجہ سے میں دنیا میں سیدھے راستے پر چل کر اس قابل ہوا کہ تیری خوشنودی حاصل کر سکوں ——— پس جس شخص کو اس

نعمت کی قدر و قیمت کا احساس ہو گا وہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کیلئے کھڑا ہو گا اور اس کی بھلائی لوٹ لے جاتے گا۔ لیکن جو شخص اس رات میں ادائے شکر کے لیے خدا کے حضور کھڑا نہیں ہوا وہ اس کی بھلائی سے محروم رہ گیا اور درحقیقت ایک بہت بڑی بھلائی سے محروم رہ گیا۔

روزہ اور قرآن بندے کی شفاعت کریں گے

۷۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ، يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَىْ رَبِّ اِنِّىْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ، وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ فَيُشَفَّعَانِ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِىُّ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزہ اور قرآن بندے کی شفاعت کرتے ہیں۔ روزہ کہتا ہے کہ اے رب، میں نے اس کو دن بھر کھانے (پینے) اور شہوات سے روکے رکھا، تو میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما ـــــ اور قرآن کہتا ہے کہ (اے رب) میں نے اسے رات کو سونے سے روکے رکھا، تو اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما ـــــ پس دونوں کی شفاعت قبول فرمالی جائے گی۔ (بیہقی)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ روزہ اور قرآن کوئی جاندار ہیں جو کھڑے ہو کر یہ بات کہتے ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک روزہ دار کا روزہ رکھنا اور قرآن پڑھنے والے کا

قرآن پڑھنا دراصل خود اپنے اندر ایک شفاعت رکھتا ہے۔ جب روزہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کہ اس بندے نے روزہ رکھا ہے تو اس پیشی کے ساتھ ساتھ روزے کی یہ شفاعت بھی موجود ہوتی ہے کہ یہ بندہ آپ کی خاطر دن بھر بھوکا پیاسا رہا۔ یہ چھپ کر کھا پی سکتا تھا اور دوسری خواہشات بھی پوری کر سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس بندے نے چونکہ آپ کی خاطر دن بھر بھوک پیاس برداشت کی ہے اور اپنی دوسری خواہشات پر بھی پابندیاں عائد کیے رکھی ہیں اس لیے اس کے قصور معاف فرما دیجئے۔

اسی طرح ایک شخص رات کو جو قرآن مجید پڑھتا ہے جب وہ قرآن اللہ کے حضور پیش کیا جاتا ہے کہ آج اس بندے نے اتنا قرآن پڑھا ہے تو قرآن کا وہ پیش کیا جانا ہی خود اپنے اندر ایک شفاعت رکھتا ہے اور وہ شفاعت یہ ہے کہ اس بندے نے دن بھر کے روزے سے تھکا ماندہ ہونے کے باوجود آپ کی رضاجوئی کی خاطر رات کو (نماز میں) کھڑے ہو کر قرآن پڑھا اس لیے اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں ________

ظاہر بات ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے روز مومنین صالحین کی شفاعت فرمائیں گے اسی طرح خود آدمی کے اپنے اعمال بھی اس کے حق میں شفیع ہوتے ہیں۔ آدمی کے اعمال خدا کے حضور یہ شفاعت کرتے ہیں کہ یہ آدمی یہ یہ نیکیاں کر کے آیا ہے اس لیے اسے بخش دیجئے اور اس سے درگزر فرمائیے۔

________ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق ______ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے حق میں روزے اور قرآن مجید کی یہ شفاعتیں قبول فرما لیتا ہے۔

لیلۃ القدر سے محرومی بہت بڑی محرومی ہے

۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ دَخَلَ رَمَضَانُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذَا الشَّهْرَ قَدْ

حَضَرَكُمْ وَفِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ۔ مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ، وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا إِلَّا كُلُّ مَحْرُوْمٍ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رمضان کا مہینہ آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ مہینہ تمہارے اُوپر آیا ہے اور اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے، جو اس سے محروم رہ گیا وہ تمام کی تمام بھلائی سے محروم رہ گیا اور اس کی بھلائی سے محروم وہی رہتا ہے جو ہے ہی بے نصیب۔ (ابن ماجہ)

اس مقام پر یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ لیلۃ القدر کے متعلق یہ وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ وہ کونسی رات ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بتایا ہے وہ بس یہ ہے کہ وہ رات رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں آتی ہے۔ یعنی وہ رات اکیسویں ہو سکتی ہے بائیسویں نہیں، تئیسویں ہو سکتی ہے چوبیسویں نہیں، وعلیٰ ھذا القیاس وہ آخری عشرہ کی طاق رات ہے۔ یہ فرمانے کے بعد اس بات کو بغیر تعین کے چھوڑ دیا گیا کہ وہ کونسی رات ہے۔ عام طور پر لوگ ستائیسویں رمضان کے بارے میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ وہ لیلۃ القدر ہے لیکن یہ بات قطعیت کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی کہ رمضان کی ستائیسویں شب ہی لیلۃ القدر ہے۔ البتہ جو بات تعین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے وہ فقط یہ ہے کہ وہ آخری عشرے کی کوئی طاق رات ہے۔

لیلۃ القدر کا قطعی طور پر تعین نہ کرنے میں یہ حکمت کارفرما نظر آتی ہے کہ آدمی ہر طاق رات میں اس اُمید پر اللہ کے حضور کھڑا ہو کر عبادت کرے کہ شاید یہی لیلۃ القدر ہو ——— لیلۃ القدر اگر اس نے پالی تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ جس چیز کا طالب تھا وہ اُسے مل گئی، اس کے بعد اس نے جو چند مزید راتیں اللہ تعالیٰ کی عبادت

میں گزاریں تو وہ اس کی نیکی میں مزید اضافے کی موجب بنیں گی۔

اس مقام پر ایک اور بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ چونکہ ساری دنیا میں رمضان کی ایک ہی تاریخیں نہیں ہوتیں اور ان میں ردّو بدل ہوتا رہتا ہے اس لیے یہ بات یقین سے کہنا مشکل ہے کہ کس آدمی کو واقعی وہ اصل رات میسر آ گئی۔ اس لیے ایک طالبِ صادق کو ہر رمضان میں اسے تلاش کرنا چاہیئے۔ رمضان کا جو آخری عشرہ اعتکاف کے لیے مقرر کیا گیا ہے اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اعتکاف کا ثواب آدمی کو الگ ملے اور چونکہ اعتکاف کی حالت میں اس کی تمام طاق راتیں عبادت میں گزریں گی اس لیے اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے کہ اسے ان میں کبھی نہ کبھی وہ رات بھی لازماً مل جائے گی۔

بعض لوگ اپنی جگہ لیلۃ القدر کی تلاش کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ رات کو باہر نکل کر یہ دیکھا جائے کہ فضا میں کوئی ایسی علامت پائی جاتی ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ قدر کی رات ہے۔ فضا میں کوئی ایسا نور برس رہا ہے جس سے اس کا لیلۃ القدر ہونا ثابت ہو جائے۔ لیکن در اصل یہ طرزِ فکر مطابقِ حقیقت نہیں ہے۔ بیشک یہ نور برستا ہے، لیکن یہ نور تو پورے رمضان میں اور رمضان کی ہر رات میں برستا ہے، البتہ اس کے لیے وہ آنکھیں چاہئیں جو اس کو دیکھ سکیں۔ یہ نور در حقیقت آپ کی عبادات کے اندر برستا ہے۔ یہ نور تقویٰ اور خدا کی رضا طلبی کے اندر آپ کے انہماک میں بھلائیوں کے لیے آپ کے ذوق و شوق میں، اور عبادات کے لیے آپ کے خلوص و اہتمام میں اور فی الجملہ آپ کے ایک ایک عمل میں برستا ہے۔

عشرۂ آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام عبادات

۱۲۹- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِيْ غَيْرِهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دنوں میں (اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں) جس قدر سخت محنت کرتے تھے اتنی اور کسی زمانے میں نہیں کرتے تھے۔ (مسلم)

رمضان کے عشرۂ آخر میں حضور کا اہتمام عبادات

۱۳۰۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهٗ وَاَحْيٰى لَيْلَهٗ وَاَيْقَظَ اَهْلَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب رمضان کی آخری دس تاریخیں آتی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمربستہ ہو جاتے تھے۔ رات رات بھر جاگتے تھے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔

(متفق علیہ)

ویسے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بندگی بجالانے میں ہمیشہ انتہائی محنت کرتے تھے لیکن حضرت عائشہ رضؓ کے بیان کے مطابق رمضان کے آخری دس دنوں میں آپ کی محنت بہت زیادہ بڑھ جاتی تھی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

لیلۃ القدر کی دعا

۱۳۱۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَيُّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ الْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِيْهَا، قَالَ قُوْلِيْ: اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے عرض کیا : یارسول اللہ، آپ کا کیا خیال ہے، اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کون سی رات لیلۃ القدر ہے، تو مجھے اس میں کیا کہنا چاہیئے ؟ آپ نے فرمایا : یوں کہو کہ اے میرے خدا، تو بڑا معاف کرنے والا ہے، تو معاف کرنے کو پسند کرتا ہے، لہذا مجھے معاف فرمادے ۔ (احمدؒ، ابن ماجہ، ترمذی)

لیلۃ القدر کو رمضان کے عشرۂ آخر کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کی ہدایت

۱۳۲ - عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ : اِلْتَمِسُوْھَا یَعْنِیْ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ فِیْ تِسْعٍ یَبْقَیْنَ اَوْ فِیْ سَبْعٍ یَبْقَیْنَ اَوْ فِیْ خَمْسٍ یَبْقَیْنَ اَوْ ثَلَاثٍ اَوْ اٰخِرِ لَیْلَۃٍ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابی بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے : لیلۃ القدر کو تلاش کرو (رمضان کی) ۲۱ یا ۲۳ یا ۲۵ یا ۲۷ یا ۲۹ تاریخ کی رات کو ۔ (ترمذی)

اس سے پہلے بھی یہ بات بہ تکرار گزر چکی ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرے میں ہے، طاق راتوں میں ہے اور آخری عشرے کی طاق راتیں یہی ہیں، یعنی اکیسویں، تیئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں ۔

ليلة القدر ہر رمضان میں ہوتی ہے

۱۲۳- عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَقَالَ هِيَ فِيْ كُلِّ رَمَضَانَ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیلۃ القدر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ہر رمضان میں ہوتی ہے۔ (ابوداؤد)

جس رات میں قرآن نازل کیا گیا تھا اور جس کو قرآن مجید میں لیلۃ القدر کہا گیا ہے چونکہ وہ رمضان کی ایک رات تھی اس لیے لازماً ہر رمضان میں ایک رات لیلۃ القدر ہے۔ لیکن کونسی رات ہے اس کا تعین نہیں ہو سکا، بجز اس کے کہ وہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی رات ہے۔

بَابُ الِاعْتِکَاف

اَلفَصلُ الاَوَّل

اعتکاف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت

۱۳۷ - عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰی تَوَفَّاہُ اللّٰہُ، ثُمَّ اعْتَکَفَ اَزْوَاجُہٗ مِنْ بَعْدِہٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات بخشی۔ پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اعتکاف کیا کرتی تھیں۔ (متفق علیہ)

اِعْتِکَاف کہتے ہیں اپنے آپ کو روکے رکھنے یعنی کسی چیز پر قائم رہنے اور اس سے وابستہ رہنے کو شریعت کی اصطلاح میں اعتکاف اس چیز کا نام ہے کہ آدمی ایک خاص صورت سے مسجد میں ٹھہرا رہے۔ گویا مسجد میں قیام کرنے اور وہاں اپنے آپ کو روکے رکھنے کا نام اعتکاف ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دنوں میں مسجد میں قیام فرماتے تھے اور آپ کا یہ معمول عمر بھر رہا۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد آپ کا وہ معمول ہے جو مدینہ طیبہ میں رہا کیونکہ رمضان کے روزوں کا حکم مدینہ طیبہ میں آیا تھا دوسرے یہ کہ مکہ میں اس وقت تک سرے سے کوئی مسجد ہی نہیں تھی اور مسجد حرام (خانہ کعبہ) میں اعتکاف کرنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ اس لیے اس سے مراد یہی ہے کہ قیام

مدینۂ طیبہ میں آخر وقت تک حضورؐ کا یہ معمول رہا کہ آپؐ رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔

ازواجِ مطہراتؓ کا اعتکاف مسجدِ نبوی میں نہیں بلکہ اپنے حجروں ہی میں ہوتا تھا۔ تمام ازواجِ مطہراتؓ کے حجرے مسجدِ نبوی کے ساتھ ساتھ تھے اور ہر ایک کا دروازہ مسجد کے اندر کھلتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہراتؓ میں سے جس کے ہاں بھی قیام رکھتے تھے وہاں سے آپؐ مسجد کے اندر تشریف لاتے تھے۔ چونکہ یہ حجرے مسجد سے متصل تھے اس لیے ازواجِ مطہرات کو مسجد کے اندر آنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ویسے بھی عورتوں کا اعتکاف مسجد میں نہیں ہوتا، بلکہ گھروں ہی میں ہوتا ہے۔ اس لیے ازواجِ مطہراتؓ بھی رمضان کے آخری عشرے میں اپنے اپنے حجروں میں اعتکاف کرتی رہیں۔

رمضان میں حضورؐ کی بے انتہا فیاضی اور جبریلؑ کے ساتھ دورۂ قرآن

۱۳۸ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ اَجْوَدَ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ، كَانَ جِبْرِيْلُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْاٰنَ فَاِذَا لَقِيَهٗ جِبْرِيْلُ كَانَ اَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھلائی کے معاملے میں (معمولاً) تمام انسانوں سے زیادہ فیاض تھے اور خاص طور پر آپؐ رمضان میں بے انتہا فیاض ہوتے

تھے۔ جبریل علیہ السلام رمضان کے زمانے میں ہر رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے اور حضورؐ انھیں قرآن مجید سناتے تھے۔ جب جبریل علیہ السلام آپ سے ملتے تھے تو حضورؐ بھلائی کے معاملے میں چلتی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ فیاض ہوتے تھے (وہ ہوا جو چلنے کے بعد کہیں رُکتی نہیں اور ہر چیز پر سے گزرتی ہے اور ہر جگہ پہنچتی ہے)۔ (متفق علیہ)

یوں تو قرآن مجید جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا تھا اُسی وقت آپؐ کے دل پر نقش ہو جاتا تھا اور پھر آپؐ کبھی بھولتے نہیں تھے لیکن رمضان کے مہینے میں (کہ جس میں قرآنِ مجید کے نزول کا آغاز ہوا تھا) جبریلؑ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے اور جتنا قرآن اسوقت تک نازل ہو چکا ہوتا تھا وہ سارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُنھیں سناتے تھے —— پھر جس طرح ہوا ایک دفعہ چل پڑنے کے بعد ہر چیز پر سے گزرتی اور ہر جگہ پہنچتی ہے اس طرح ان دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر اور فیاضی معمول سے بہت زیادہ عام اور وافر ہو جاتی تھی۔ گویا یہ اس مسرت کی وجہ سے ہوتا تھا جو ہر رات جبریل علیہ السلام سے ملنے اور اُنھیں قرآن سُنانے سے آپؐ کو حاصل ہوتی تھی۔

جبریل علیہ السلام ہر سال رمضان میں حضورؐ کو قرآن سُنایا کرتے تھے

۱۳۹۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ یُعْرَضُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْاٰنُ کُلَّ عَامٍ مَرَّةً فَعُرِضَ عَلَیْهِ مَرَّتَیْنِ فِی الْعَامِ الَّذِیْ قُبِضَ وَکَانَ یَعْتَکِفُ کُلَّ عَامٍ عَشْرًا فَاعْتَکَفَ عِشْرِیْنَ فِی الْعَامِ الَّذِیْ قُبِضَ۔

(رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہر سال ایک مرتبہ قرآن مجید پیش کیا جاتا تھا مگر جس سال آپؐ نے انتقال فرمایا اس میں آپ کو دو مرتبہ قرآن مجید سنایا گیا۔ اور آپؐ ہر سال دس دن اعتکاف کیا کرتے تھے مگر جس سال آپؐ کی وفات ہوئی اُس میں آپ نے بیس دن اعتکاف فرمایا۔ (بخاریؒ)

گزشتہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبریل علیہ السلام کو قرآن مجید سناتے تھے۔ اس حدیث میں ہے کہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید سُناتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل دونوں طرح ہوتا تھا یعنی ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے تھے اور ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید جبریل علیہ السلام کو سناتے تھے البتہ جس سال حضورؐ کا انتقال ہوا اس سال آپ کو دو مرتبہ قرآن مجید سنایا گیا۔ یعنی دو مرتبہ قرآن مجید آپ نے سُنایا اور دو مرتبہ جبریل علیہ السلام نے سُنایا۔

حضورؐ کا اعتکاف کرنے کا عام معمول دس دن کا تھا لیکن حیاتِ مبارکہ کے آخری سال آپؐ نے بیس دن اعتکاف فرمایا۔

حضورؐ دورانِ اعتکاف میں ناگزیر ضرورت کے بغیر گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے

۱۴۰۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اعْتَكَفَ أَدْنَى إِلَيَّ رَأْسَهُ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَأُرَجِّلُهُ وَكَانَ يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم جب اعتکاف کی حالت میں ہوتے تھے تو مسجد میں بیٹھے بیٹھے آپؐ اپنا سر مبارک میری طرف (میرے حجرے میں) بڑھا دیا کرتے تھے اور میں آپ کے بال درست کر دیا کرتی تھی —— اور آپؐ (اعتکاف کی حالت میں) گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے مگر کسی خاص انسانی حاجت کے لیے۔ (متفق علیہ)

حَاجَۃُ الْاِنْسَانِ سے مراد وہ ناگزیر حاجت ہے جس کے لیے مسجد سے نکلنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔ مثلاً پیشاب یا خانہ وغیرہ کیونکہ مسجد میں رفع حاجت نہیں کی جا سکتی۔

اب رہی یہ بات کہ آپ اعتکاف کی حالت میں اپنا سر مبارک حضرت عائشہؓ کی طرف بڑھا دیتے تھے اور وہ آپؐ کے بال درست کر دیتی تھیں تو اس کی صورت یہ تھی (جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا ہے) کہ ازواج مطہراتؓ کے حجروں کا ایک ایک دروازہ مسجد نبوی میں کھلتا تھا اسلیے مسجد میں بیٹھے بیٹھے آپ اپنا سر مبارک حضرت عائشہؓ کے حجرے کی طرف بڑھا دیتے تھے اور وہ تیل وغیرہ ڈال کر آپؐ کے بال درست کر دیتی تھیں۔ معلوم ہوا کہ اگر آدمی صرف مسجد کے دروازے سے اپنا سر باہر نکال لے تو وہ مسجد سے باہر نہیں نکلا۔ مسجد سے باہر وہ اُسوقت نکلے گا جبکہ وہ قدم باہر نکالے گا لیکن قدم باہر نہ نکالنے کی صورت میں اس کے جسم کا بڑا حصہ مسجد کے اندر رہے گا اس لیے محض سر باہر نکال لینے سے وہ مسجد سے باہر نہیں نکلے گا۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مسجد سے صرف سر باہر نکالنے سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا۔ البتہ اگر آپ مسجد سے قدم باہر نکالیں گے تو آپ کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا —— مسجد سے باہر نکلنے کے لیے اجازت صرف اسی صورت میں ہے جبکہ کوئی ناگزیر حاجت در پیش ہو۔ مثلاً ایک آدمی کا کھانا لا کر دینے والا کوئی نہیں ہے، چنانچہ وہ شخص

اپنا کھانا پینے کے لیے مسجد سے باہر جا سکتا ہے، خواہ گھر جائے یا کسی دکان پر۔ اسی طرح وہ پیشاب پاخانے کے لیے مسجد سے باہر جا سکتا ہے۔ البتہ ناگزیر حاجات کے سوا کسی حالت میں اعتکاف کرنے والے کو مسجد سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں۔

جاہلیت میں مانی ہوئی کسی نیک کام کی نذر پوری کرنی چاہیئے

۱۴۱۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کُنْتُ نَذَرْتُ فِی الْجَاهِلِیَّةِ اَنْ اَعْتَکِفَ لَیْلَةً فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، قَالَ فَاَوْفِ بِنَذْرِکَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے زمانۂ جاہلیت میں یہ نذر مانی تھی کہ میں ایک رات مسجدِ حرام (بیت اللہ) میں اعتکاف کروں گا (کیا مجھے یہ اپنی نذر پوری کرنی چاہیئے؟)۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں تم اپنی نذر پوری کرو۔ (متفق علیہ)

اِس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی انسان نے جاہلیت میں بھی کسی نیک کام کی نذر مانی ہو تو اُسے اپنی نذر پوری کرنی چاہیئے۔ ہاں اگر کسی غلط اور بیجا کام کی یا کسی گناہ کی نذر مانی ہو تو اُسے پورا نہیں کرنا چاہیئے۔ کسی نیک کام کے لیے جاہلیت کے زمانے میں مانی ہوئی نذر کے متعلق اس امر میں اختلاف ہے کہ اس کا پورا کرنا لازم ہے یا نہیں۔ بعض فقہا کے نزدیک اُسے پورا کرنا لازم ہے اور بعض کے نزدیک لازم نہیں ہے، البتہ اس کی اجازت ضرور ہے۔ خود فَاَوْفِ بِنَذْرِکَ کے بھی دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک مفہوم یہ ہے کہ تم لازماً یہ نذر پوری کرو۔ اور دوسرا

مفہوم یہ ہے کہ ہاں تم نذر پوری کر سکتے ہو مگر ایسا کرنا ضروری نہیں۔

اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جاہلیت کے زمانے میں بھی اعتکاف کا طریقہ معروف تھا اور قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔ مشرکین اپنے بتوں کے لیے اعتکاف کیا کرتے تھے اور اہل اللہ اللہ کے لیے عبادت گاہوں میں اعتکاف کرتے تھے۔ بعض اوقات مشرکین بھی مسجدِ حرام میں اللہ کے لیے اعتکاف کرنے کی نذر مانتے تھے جیسا کہ حضرت عمرؓ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ نذر اللہ کی خاطر تھی ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اس کے پورا کرنے کا حکم (یا اجازت) نہ دیتے۔

حضورؐ فجر کی نماز پڑھ کر اپنے معتکف میں داخل ہو جاتے تھے

۱۴۲۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْتَکِفُ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ فَلَمْ یَعْتَکِفْ عَامًا، فَلَمَّا کَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اعْتَکَفَ عِشْرِیْنَ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَۃَ عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دنوں میں ہمیشہ اعتکاف فرمایا کرتے تھے مگر ایک سال آپؐ نے اعتکاف نہیں فرمایا۔ جب دوسرا سال آیا تو آپؐ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سال اپنے زمانہ قیامِ مدینہ میں اعتکاف نہیں کیا جس سے اس بات کی دلیل ملتی ہے کہ اعتکاف

کرنا فرض اور واجب نہیں ہے۔ اگر فرض اور واجب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سال بھی اعتکاف نہ چھوڑتے۔ حضورؐ نے یہ مسئلہ واضح کرنے کے لیے کہ یہ فرض و واجب نہیں ہے ایک سال اعتکاف نہیں فرمایا۔ اگرچہ اعتکاف ایک بہت بڑی نیکی ہے اور ایک ایسی سنّت ہے جس پر عمل کیا جانا چاہیے (اور آپؐ برابر سالہا سال اس پر عمل پیرا رہے) لیکن ایک سال آپؐ نے اعتکاف نہیں فرمایا تاکہ فرض و واجب یا سنّت میں فرق واضح ہو جائے۔ حضورؐ کے اس عمل کی بناء پر فقہاء کے درمیان اعتکاف کی نوعیت میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض اس کو واجب قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضورؐ نے ہمیشہ اعتکاف کیا ہے۔ اگر ایک سال نہیں کیا تو دوسرے سال آپؐ نے دس دن مزید اعتکاف میں بیٹھ کر اس کی قضا ادا کی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سنّت ہے اور سنتِ مؤکّدہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مُستحَب ہے اور ایسا مُستحَب ہے کہ اس پر عمل کیا جانا چاہیے۔ اس معاملے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو مختلف عمل ہیں فقہاء نے یہ رائیں ان کو دیکھ کر اختیار کی ہیں اور سب اپنی اپنی جگہ وزن رکھتی ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِی

حضورؐ رمضان کے آخری عشرے میں ہمیشہ اعتکاف فرماتے تھے

۱۴۳۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ صَلَّى الْفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ فِيْ مُعْتَكَفِهٖ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَهْ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کا ارادہ فرماتے تھے تو فجر کی نماز پڑھ کر اپنے معتکف (اعتکاف کی جگہ) میں داخل ہو جاتے تھے۔ (ابو داؤد۔ ابن ماجہ)

مُعتکَف سے مراد وہ جگہ ہے جو آدمی مسجد میں اپنے اعتکاف کے لیے بنالے۔ مسجد میں ایک پردہ سا لٹکا کر اپنے لیے خلوت پیدا کر لی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور فجر کی نماز پڑھ کر اپنے معتکف میں داخل ہو جاتے تھے۔ امام اوزاعیؒ اور امام ثوریؒ وغیرہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اعتکاف کی ابتدا فجر کے وقت سے ہوتی ہے۔ بعض دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف کی ابتدا مغرب کے وقت سے ہوتی ہے۔ یعنی اگر آدمی ۲۱ تاریخ سے اعتکاف میں بیٹھنا چاہے تو وہ ۲۰ تاریخ کو مغرب کی نماز کے بعد اعتکاف میں بیٹھ جائے گا۔ ائمہ اربعہ اسی بات کے قائل ہیں اور وہ اپنی دلیل دوسری احادیث سے لاتے ہیں۔ لیکن جو فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ اعتکاف کا وقت ۲۰ تاریخ کی فجر سے شروع ہوتا ہے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

حالتِ اعتکاف میں مریض کی عیادت کا مسنون طریقہ

۱۴۴۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُ الْمَرِيضَ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَيَمُرُّ كَمَا هُوَ فَلَا يُعَرِّجُ يَسْأَلُ عَنْهُ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کی حالت میں مریض کی عیادت کر لیتے تھے۔ بس آپ سیدھے مریض کے پاس جاتے تھے اور اس کی خیریت پوچھ کر واپس آجاتے تھے۔ (ابوداؤد)

آگے ایک حدیث آتی ہے کہ اعتکاف میں عیادت بھی نہیں کی جاسکتی اور وہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت ہے۔ یہاں حضرت عائشہؓ کا بیان

یہ ہے کہ حضورؐ عیادت کے لیے جایا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عیادت کی دو حالتیں ہیں۔ ایک حالت یہ ہے کہ کسی آدمی کو کوئی معمولی بیماری ہے اور اس سے کوئی خطرے اور پریشانی کی بات نہیں، تو اعتکاف کی حالت میں آپؐ اس کی عیادت کے لیے نہیں جایا کرتے تھے۔ لیکن اگر معلوم ہوتا کہ آدمی بہت سخت بیمار ہے اور اس کی حالت قابلِ تشویش ہے تو اس حالت میں آپؐ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تھے لیکن اس طرح کہ راستے میں کسی دوسرے کام کے لیے ٹھہرتے اور رُکتے نہیں تھے ——— اس سے دونوں حدیثیں جمع ہو جاتی ہیں اور ان کا ظاہری تضاد رفع ہو جاتا ہے۔

حالتِ اعتکاف میں ممنوع کام، اور اعتکاف کی دو شرطیں

۱۴۵- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتِ السُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ أَنْ لَا يَعُوْدَ مَرِيْضًا وَلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً وَلَا يَمَسَّ الْمَرْأَةَ وَلَا يُبَاشِرَهَا وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ اِلَّا لِمَا لَابُدَّ مِنْهُ وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا بِصَوْمٍ وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا فِيْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اعتکاف کرنے والے کے لیے اعتکاف کے معاملے میں سنّت یہ ہے کہ وہ نہ مریض کی عیادت کرے، نہ جنازے میں جائے، نہ عورت کو ہاتھ لگائے اور نہ اس کے ساتھ جسم مَس کرے، نہ کسی حاجت کے لیے مسجد سے نکلے۔ بجز اُس حاجت کے کہ جس کے لیے مسجد سے نکلنے کے سوا چارہ نہ ہو۔ اور کوئی اعتکاف نہیں ہے بغیر روزے کے، اور کوئی اعتکاف نہیں ہے مگر مسجد جامع میں۔ (ابو داؤد)

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اعتکاف کے جو احکام بیان کیے ہیں ان میں سے پہلا حکم یہ ہے کہ معتکف مریض کی عیادت نہ کرے۔ گزشتہ حدیث اور اس حدیث کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عام حالت میں مریض کی عیادت نہ کرنی چاہیئے لیکن اس صورت میں جبکہ مریض کی حالت تشویش کے قابل ہو عیادت کی جا سکتی ہے۔ معتکف کے لیے دوسرا حکم یہ ہے کہ وہ جنازے کے ساتھ نہ جائے۔ تیسرا حکم یہ ہے کہ وہ بیوی کے قریب نہ جائے۔ اس سے پہلے حضرت عائشہ رضی کی حدیث گزر چکی ہے کہ وہ حضورؐ کے بال ٹھیک کر دیتی تھیں در آنحالیکہ آپؐ اعتکاف میں ہوتے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی کو تو ہاتھ لگانے کی اجازت دی مگر خود ان کو ہاتھ نہیں لگایا۔ البتہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی دوسرے کا گھر اس طرح مسجد کے ساتھ نہیں ہوتا جسطرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ اس لیے اس معاملے میں حکم وہی رہے گا جو معروف ہے۔

اس حدیث سے یہ حکم بھی معلوم ہوا کہ روزے کے بغیر اعتکاف نہیں ہے۔ یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ آدمی روزے سے نہ ہو مگر مسجد میں اعتکاف میں بیٹھا ہوا ہو۔

آخری حکم حضرت عائشہ رضی نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اعتکاف نہیں ہے مگر مسجدِ جامع میں۔ فقہاء کے درمیان اس کے مفہوم میں اختلاف پیدا ہوا ہے۔ بعض فقہا نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ اعتکاف اُس مسجد میں ہو سکتا ہے جس میں جمعہ قائم کیا جا رہا ہو، یعنی اس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہو۔ اس سے اختلاف کرتے ہوتے فقہاء کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف ہو سکتا ہے تاہم مسجد جامع۔ کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ وہ مسجد ہے

جس میں جماعت ہوتی ہو۔ یعنی کوئی شخص ایسی ویران مسجد تلاش کر کے وہاں جاکر اعتکاف میں نہ بیٹھ جائے جہاں نمازیوں کی آمد ورفت نہ ہو کیونکہ اس صورت میں وہ اکیلا ہی نماز پڑھتا رہے گا اور جماعت کی نماز سے محروم رہے گا۔ اعتکاف کی نیکی تو اس نے کی لیکن جماعت کی نماز چھوٹ گئی۔ اس لیے اگر مسجد جامع سے ایسی مسجد مراد لی جائے تو پھر اختلاف کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کیونکہ ویران مسجد میں اعتکاف کرنے کا کوئی بھی قائل نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

حضورؐ کے معتکف کی کیفیت

۱۴۶۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا اعْتَكَفَ طُرِحَ لَهٗ فِرَاشُهٗ اَوْ يُوْضَعُ لَهٗ سَرِيْرُهٗ وَرَاءَ اُسْطُوَانَةِ التَّوْبَةِ

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ما روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کا ارادہ فرماتے تھے تو (مسجد نبوی میں) توبہ والے ستون کے ساتھ یا تو آپؐ کے لیے بستر بچھا دیا جاتا تھا یا آپؐ کی چارپائی بچھا دی جاتی تھی۔ (ابن ماجہ)۔

توبہ والا استوان جس کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے اب تک مسجد نبوی میں موجود ہے۔ اس پر اُسْطُوَانَۃُ التَّوْبَۃِ کے الفاظ لکھے ہوتے ہیں۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ ایک صحابی حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے ایک غلطی سرزد ہو گئی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنی قریظہ کے پاس بطور سفیر کے بھیجا تو انھوں نے گردن پر ہاتھ پھیر کر اشارہ انھیں یہ بتادیا کہ اب تمھیں قتل کرنے کا فیصلہ کیا

جائے گا۔ یہ چیز گویا ایک فوجی اور جنگی راز دشمنوں پر ظاہر کرنے کے ہم معنی تھی۔ اس پر سخت گرفت کی گئی۔ چنانچہ جب حضرت ابو لبابہ رضؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انھوں نے اپنے آپ کو مسجدِ نبوی کے ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا اور کہا کہ جب تک میری معافی نہیں ہو گی اُس وقت تک نہ تو میں اپنے آپ کو کھولوں گا اور نہ کچھ کھاؤں پیوں گا۔ وہ اس حالت میں بندھے رہے یہاں تک کہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی معافی آئی تو ان کو کھولا گیا۔ اس ستون کو آج تک مسجدِ نبوی میں محفوظ رکھا گیا ہے اور اسی کے قریب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔

معتکِف کے حق میں لکھی جانے والی نیکیاں

۱۴۷۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْمُعْتَكِفِ، هُوَ يَعْتَكِفُ الذُّنُوْبَ وَيُجْرٰى لَهٗ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)

حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معتکِف (اعتکاف کرنے والا) کے بارے میں فرمایا: اعتکاف کرنے والا چونکہ (اعتکاف کے زمانے میں) گناہوں سے رُکا رہتا ہے اس لیے اس کے حق میں وہ تمام نیکیاں لکھی جاتی ہیں جو اس شخص کے حق میں لکھی جاتی ہیں جو تمام نیکیوں پر عمل پیرا ہو۔

(ابن ماجہ)

اعتکاف کرنے والا اعتکاف کی وجہ سے رُکا ہوا تو گناہوں سے ہے

لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کا معاملہ اس کے ساتھ یہ ہے اس کے حق میں وہ تمام نیکیاں بھی لکھی جاتی ہیں جو اس دوران میں وہ مسجد سے باہر ہونے کی صورت میں کرتا ـــــ یعنی یہ بات تو نہیں لکھی جاتی کہ اگر وہ مسجد سے باہر رہتا تو یہ بدی کرتا، لیکن یہ لکھا جاتا ہے کہ اگر وہ باہر رہتا تو یہ نیکی کرتا ـــــ یہ خلق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا انتہائی فیاضانہ اور مربیانہ معاملہ ہے کہ گناہ تو اُس وقت تک نہیں لکھا جاتا جب تک کہ آدمی سے اس کا صدور نہ ہو جائے اور پھر جتنا گناہ صادر ہوتا ہے صرف اسی قدر لکھا جاتا ہے۔ لیکن نیکی کا معاملہ جدا ہے ـــــ صرف یہی نہیں کہ بندۂ مومن کے حق میں وہ نیکی لکھی جاتی ہے جو اس سے صادر ہوتی ہے بلکہ وہ نیکی بھی لکھ دی جاتی ہے جسکے متعلق یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ اسکا موقع ملنے کی صورت میں وہ اسے انجام دیتا۔ اسی طرح اگر اس کے دل میں نیکی کا ارادہ ہی آیا ہو اور وہ اسے کسی وجہ سے پورا نہ کر سکا ہو تب بھی وہ نیکی اس کے حق میں لکھ دی جاتی ہے (جبکہ محض گناہ کا ارادہ کرنے پر اُس وقت تک کوئی مؤاخذہ نہیں ہوتا جب تک کہ اس پر عمل نہ کیا جائے) یہ خاص معاملہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے ساتھ کرتا ہے، کیونکہ وہ فیاض ہے جتنا چاہے اپنی طرف سے کسی کو دے ـــــ بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ نیکی کے بغیر اجر کا مستحق ٹھہرایا جانا عجیب بات ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر بادشاہ اپنی خوشی سے دیتا ہے تو اس پر کسی کے اعتراض کرنے کی کیا معقول وجہ ہو سکتی ہے۔

رمضان کی آخری رات کو اُمّتِ مُسلمہ کی مغفرت ہو جاتی ہے

۱۲۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ یُغْفَرُ لِاُمَّتِہٖ فِیْ اٰخِرِ لَیْلَۃٍ فِیْ رَمَضَانَ، قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَھِیَ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ، قَالَ لَا وَلٰکِنَّ الْعَامِلَ اِنَّمَا یُوَفّٰی اَجْرَہٗ اِذَا قَضٰی عَمَلَہٗ (رَوَاہُ اَحْمَدُ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: رمضان کی آخری رات کو میری امت کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ صحابہ کرام رضؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ، کیا یہی وہ لیلۃ القدر ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا، نہیں، بلکہ مزدور کو اس کی مزدوری اُس وقت دی جاتی ہے جب وہ اپنا کام مکمل کر لیتا ہے۔ (احمدؒ)

حضورؐ کا یہ ارشاد سُن کر کہ "رمضان کی آخری رات میری اُمّت کی مغفرت ہو جاتی ہے"، صحابہ کرامؓ کو یہ خیال ہوا کہ شاید وہی رات لیلۃ القدر ہو اور اسی کی فضیلت کی وجہ سے ایسا ہوتا ہو۔ لیکن آپؐ نے فرمایا کہ ایسا لیلۃ القدر ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ مزدور کو اُجرت کام مکمل ہونے پر دی جاتی ہے۔ میری اُمّت کی اُجرت یہ ہے کہ اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

اُمّت کی مغفرت ہو جانے کا یہ مطلب نہیں کہ اُن لوگوں کی بھی مغفرت ہو جاتی ہے جو نہ روزے رکھیں اور نہ دوسرے احکام کی پیروی کریں، بلکہ یہ

مغفرت اُمّت کے ان لوگوں کی ہوتی ہے جو روزے رکھتے ہیں اور احکام خداوندی کی پیروی کرتے ہیں ــــــــ اُس زمانے میں یہ بات قابلِ تصوّر ہی نہ تھی کہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بھی ہو اور پھر روزہ بھی نہ رکھے۔ اُس وقت پوری کی پوری اُمّت روزہ رکھتی تھی۔ رمضان کا سارا زمانہ خدا کی عبادت میں گزارتی تھی، ہر طرح کی بُرائیوں سے بچتی تھی اور عام دنوں سے بڑھ کر نیکیاں کرتی تھی۔ اِس لیے یہاں اُس اُمّت کی مغفرت کا ذکر کیا گیا ہے ــــــ ورنہ اس سے مراد وہ لوگ کیسے ہو سکتے ہیں کہ جب رمضان آتا ہے تو ان کی بے راہ روی اور سرکشی میں کچھ اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ روزہ رکھنا تو ایک طرف رہا اُلٹا برسرِ عام بے تکلفی سے کھاتے پیتے ہیں۔ رمضان کی آخری رات کو ایسے لوگوں کی مغفرت ہونے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ اُس رات شاید اُن کے خلاف مقدمۂ فوجداری ــــــ Prosecution Case ــــــ مکمل ہو جاتا ہو گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار بندوں پر فخر کرتا ہے

۱۳۶ - عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم: اذا کان لیلۃ القدر نزل جبریل فی کبکبۃ
من الملائکۃ یصلون علی کل عبد قائم او قاعد
یذکر اللہ عز وجل فاذا کان یوم عیدھم یعنی
یوم فطرھم باھی بھم ملائکتہ فقال یا ملائکتی
ما جزاء اجیر وفی عملہ. قالوا ربنا جزاؤہ ان یوفی
اجرہ. قال ملائکتی عبیدی وامائی قضوا فریضتی
علیھم ثم خرجوا یعجون الی الدعاء وعزتی وجلالی
وکرمی وعلوی وارتفاع مکانی لاجیبنھم فیقول
ارجعوا قد غفرت لکم وبدلت سیئاتکم حسنات
قال فیرجعون مغفورا لھم ۔ (رواہ البیھقی)

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جب لیلۃ القدر ہوتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام ملائکہ کے ایک جھرمٹ میں اُترتے ہیں اور ہر اُس بندے کے لیے دُعا کرتے ہیں جو اسوقت کھڑا ہوا یا بیٹھا ہوا اللہ عزّ وجل کا ذکر کر رہا ہو (یعنی جاگ رہا ہو اور عبادت کر رہا ہو) پھر جب عید الفطر کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنے ملائکہ کے سامنے فخر کرتا ہے اور انھیں مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اے میرے فرشتو! اُس اجیر (مزدور) کا جزا کیا ہے جس نے اپنے ذمّے کا کام پورا کر دیا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار اس کی جزا یہ ہے کہ اس کی مزدوری اسے پوری پوری دے دی جائے۔ اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ اے میرے ملائکہ! میرے ان بندوں اور بندیوں نے اپنا وہ فرض ادا کر دیا جو میں نے ان پر عائد کیا تھا۔ پھر اب یہ گھروں سے (عید کی نماز ادا کرنے اور) مجھ سے گڑگڑا کر مانگنے کے لیے نکلے ہیں، اور قسم ہے میری عزت اور میرے جلال کی، اور میرے کرم اور میری بلند مرتبگی کی، اور میری بلند مقامی کی کہ میں انکی دعائیں ضرور قبول کروں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے: جاؤ میں نے تمھیں معاف کر دیا اور تمھاری برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیا ——— حضورؐ فرماتے ہیں کہ پھر وہ اس حالت میں پلٹتے ہیں کہ انھیں معاف کر دیا جاتا ہے۔ (بیہقی)

اللہ تعالیٰ سال کے سال اپنے مومن بندوں کے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہے کیونکہ اُنھوں نے رمضان میں روزے رکھے اور لیلۃ القدر کی تلاش میں راتوں کو عبادت کرتے رہے۔ پھر عید کے روز نماز کے لیے نکلے اور اُنھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں۔ اس کے نتیجے میں وہ اس کے ہاں سے مغفرت اور مہربانیاں حاصل کر کے پلٹے ———

صدقۂ فطر

صدقۂ فطر کا حکم

روزہ دار اگرچہ مجسّم نیکی ہوتا ہے، اس کے مادّی جسم میں ملکوتی روح بیدار ہوتی رہتی ہے، وہ جھوٹ سے بدگوئی سے، غیبت سے، بدکلامی سے، ایذا رسانی سے، حق تلفی سے، غرض ہر طرح کی بُرائیوں سے دُور رہتا ہے، یا کم از کم یہ کہ دور رہنے کی پوری کوشش میں رہتا ہے۔ تاہم وہ بہرحال انسان ہی ہوتا ہے فرشتہ نہیں ہوتا۔ اس لئے ہزار کوششوں کے باوجود اس سے لغزشیں ہو ہی جاتی ہیں۔ زبان سے بیہودہ باتیں نکل ہی جاتی ہیں۔ اس لئے قدرتی طور پر روزے کا بالکل بے داغ اور ہر نقص سے پاک رہنا ممکن نہیں۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے روزوں کو اس طرح کے داغ دھبوں سے پاک، صاف اور مقبول بنانے کے لئے ایک خاص قسم کا صدقہ دینے کی ہدایت فرمائی ہے۔ جس کو اصطلاحِ شرع میں "صدقۂ فطر" کہتے ہیں۔ احادیث میں ہے کہ:

"صَوْمُ شَهْرِ رَمَضَانَ مُعَلَّقٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَا يُرْفَعُ إِلَّا بِزَكٰوةِ الْفِطْرِ" (ترغیب)

ترجمہ:۔ رمضان کے روزے آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہتے ہیں اور جب تک صدقۂ فطر ادا نہ کر دیا جائے، آگے (بارگاہِ خداوندی تک) نہیں جاتے۔"

"فرض رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم زکوٰۃ الفطر طهرۃ للصائمین من اللغو والرفث" (ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ:۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر کو فرض کیا ہے تاکہ روزہ دار (کا روزہ) لغو اور فحش گوئی (وغیرہ کے داغ دھبوں) سے پاک وصاف ہو جائے۔

ان احادیث سے صدقۂ فطر کی اہمیت اور غایت دونوں چیزیں واضح ہو جاتی ہیں۔ غایت اس کی تو وہی روزوں کو نقائص سے پاک کرنے کی ہے۔ جو ابھی بیان کی جا چکی، اور اہمیت اس کی یہ ہے کہ اس کا ادا کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ احادیث کے الفاظ کے پیشِ نظر تو یہ ادائیگی فرض ہے[1]، اگرچہ علمائے حنفیہ نے اسے واجب کہا

---

[1] عن ابن عمر قال فرض رسول اللّٰہ علیہ وسلم زکوٰۃ الفطر الخ

(بخاری)

ترجمہ:۔ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۃ فطر کو فرض قرار دیا ہے۔"

امام بخاریؒ لکھتے ہیں "رأی ابوالعالیۃ وعطاء وابن سیرین صدقۃ الفطر فریضۃ۔"

ترجمہ: "یعنی ابوعالیہ، عطاء اور ابن سیرین نے صدقۂ فطر کو فرض گردانا ہے (صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ)

ہے، لیکن اس کے باوجود اس کے لازمی اور ضروری ہونے کی بات اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔ کیونکہ فرض اور واجب میں بہت تھوڑا سا فرق ہے۔ اور جہاں تک صدقۂ فطر کی غایت کا تعلق ہے وہ تو اتنی گراں قدر ہے کہ اس کو نگاہ میں رکھنے کے بعد صدقۂ فطر کی ادائیگی ہر روزہ دار مسلمان کی ایک ناگزیر فطری طلب بن جاتی ہے۔

صدقۂ فطر ہر شخص پر ہے

صدقۂ فطر کے فرض (یا واجب) ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی کے پاس زکوٰۃ کا نصاب ہو بلکہ جس طرح ایک مالدار کے لئے اس کا دینا ضروری ہے اسی طرح اس غریب کے لئے بھی ضروری ہے جس کے پاس عید کے دن اپنے اہل وعیال کی خوراک سے زائد اس قدر موجود ہو کہ ہر ایک کی طرف سے ایک صاع غلّہ دے سکے[1]۔ جیساکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے:-

"إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ مِنْ رَمَضَانَ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ عَلٰى كُلِّ حُرٍّ اَوْ عَبْدٍ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ" (ترمذی جلد دوم)

ترجمہ:- "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر ایک صاع کھجور[2] یا ایک صاع جو ہر آزاد اور غلام، مرد اور عورت مسلمان پر فرض کیا ہے۔"

---

[1] اس بارے میں احناف کا مسلک یہ ہے کہ صدقۂ فطر صرف ان ہی لوگوں پر واجب ہے جن کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہ ہو، ان کے نزدیک احادیث جو یہ فرمایا گیا ہے کہ صدقۂ فطر ہر آزاد، غلام، مرد عورت پر واجب ہے اس سے مراد صرف ایسے ہی لوگ ہیں۔

[2] گیہوں کی مقدار نصف صاع یعنی پونے دو کلو یا اس کی قیمت ادا کی جائے۔

"ہر مسلمان کے الفاظ کا ظاہری مفہوم یہی ہو گا کہ بلا امتیاز امیر اور غریب سب ہی لوگوں پر صدقۂ فطر کا ادا کرنا لازم ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں (جو اگرچہ ضعیف ہی ہے) وضاحت موجود ہے:۔

"اَمَّا غَنِیُّکُمْ فَیُزَکِّیْهِ اللّٰهُ وَاَمَّا فَقِیْرُکُمْ فَیَرُدُّ عَلَیْهِ اَکْثَرَ مِمَّا اَعْطَاهُ" (ابوداؤد)

ترجمہ:۔ "مال دار شخص کو اللہ تعالیٰ اس صدقے کے ذریعے پاک کر دیتا ہے، رہا غریب، تو وہ جتنا صدقۂ فطر دیتا ہے (دوسروں کا صدقہ اسے دلاکر) اس سے زیادہ اسے واپس کر دیتا ہے"۔

ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صدقۂ فطر صرف ان ہی لوگوں پر فرض نہیں ہے جنھوں نے روزے رکھے ہوں یا جن پر روزے فرض ہوں، بلکہ ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ اس نے روزے رکھے ہوں یا کسی عذر شرعی کی بنا پر نہ رکھے ہوں۔ نیز چاہے اس پر روزے فرض ہوں یا نابالغ ہونے کے باعث فرض نہ ہوں، کیونکہ "ہر مسلمان" کا لفظ بالکل عام ہے۔ اس میں بالغ اور نابالغ، روزہ دار اور روزہ نہ رکھنے والے سب ہی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر کو "طُعْمَةً لِّلْمَسَاکِیْنِ" (مساکین کی خوراک) بھی فرمایا ہے۔ یعنی جس طرح صدقۂ فطر کا ایک مقصد روزے دار کے روزوں کو پاک اور مقبول بنا دینا ہے، اسی طرح عید کے دن غریبوں کے لئے کھانے پینے کا بندوبست ہو جانا بھی اس کی ایک مصلحت اور غایت ہے۔ جس کا تقاضا یہی ہے کہ صدقۂ فطر دینے والوں کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو۔ صرف روزہ داروں تک ہی محدود نہ رہے۔

عیدُالفطر

عیدُالفطر کی حیثیت

رمضانُ المبارک کے پورے مہینے کے روزے رکھ چُکنے کے معنیٰ اللہ کی بندگی کے ایک دُشوار فریضے کو ادا کر لینے کے ہیں۔ ایسے موقع پر آدمی کے دل میں، ایک انسان ہونے کی حیثیت سے خوشی کے جذبات کا، اور مومن ہونے کی حیثیت سے شکر و سپاس کے جذبات کا پیدا ہونا بالکل فطری بات ہے۔ اسی فطری جذبے کا مظہر ہے جسے عید الفطر کہا جاتا ہے۔ یہ عید اس لئے مشروع فرمائی گئی ہے تاکہ مومن روزے کے فرض ادا کر لینے پر اپنی روح کی مسرّت کا اظہار کرے۔ دوسری طرف اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس نے اپنی بندگی کا ایک اہم فریضہ ادا کرنے کی اُسے توفیق بخشی۔ معلوم ہوا کہ اسلام میں تیوہار کی نوعیت دوسری قوموں کے تیوہاروں سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ یہاں عید کا جشن کسی دنیوی مقصد کے حاصل ہو جانے کی یاد میں نہیں منایا جاتا بلکہ ایک فریضۂ عبادت کے ادا کر لینے اور اُخروی فلاح کا مستحق ہو جانے کی خوشی میں منایا جاتا ہے۔

عید کی رات کی عبادت

عید اور بقر عید کی راتیں شرف اور بزرگی کی راتیں ہیں۔ ان میں بھی جاگنے اور عبادت کرنے کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:۔

" مَنْ قَامَ لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ مُحْتَسِبًا لِلّٰهِ لَمْ يَمُتْ قَلْبُهٗ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ۔ " (ابن ماجہ)

ترجمہ:۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے ثواب کی خاطر دونوں عیدوں کی راتوں میں عبادت کی اس کا دل اس دن نہ مرے گا جس دن بہت سے دل مردہ ہو رہیں گے۔

یعنی قیامت کے دن جب کہ لوگوں پر بے حد سختیاں اور دہشتیں ہوں گی اور لوگ حواس باختہ ہو جائیں گے اس دن اس کا دل بالکل بے خوف اور مطمئن ہوگا۔

عید کے دن کی سنتیں

عید کے دن ان کاموں کا کرنا مسنون ہے:۔

۱۔ غسل کرنا، چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ " وہ عیدگاہ جانے سے پہلے غسل کیا کرتے تھے" (موطا امام مالکؒ) اسی طرح ابو رافع بن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن غسل فرمایا کرتے تھے۔ (بزاز)

۲۔ عمدہ کپڑے پہننا۔ حاکم کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کے موقع پر حسب توفیق اچھے سے اچھے کپڑے پہننے کی ہدایت فرمائی ہے۔ چنانچہ " حضرت عبداللہ ابن عمرؓ جن کا اتباعِ سنت مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ عیدین میں بہترین کپڑے زیب تن فرمایا کرتے تھے۔" (فتح الباری بحوالہ بیہقی و ابن ابی الدنیا)

۳۔ " خوشبو استعمال کرنا۔ حاکم کی مذکورہ بالا حدیث میں یہ ہدایت بھی موجود ہے کہ " عیدین

کے موقع پر حسبِ توفیق اچھی سے اچھی خوشبو استعمال کرلینی چاہیئے۔"

۴۔ عید گاہ جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہنا۔ آیتِ قرآنی کے الفاظ "وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ۔ یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو، اس کی ہدایت بخشی پر۔" کا تقاضا علماء نے یہ بھی قرار دیا ہے کہ عید کے دن بہ آوازِ بلند تکبیریں کہی جائیں۔ صحابہ کرامؓ سے بھی اس عمل کا مختلف روایتوں میں ثبوت موجود ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؓ اور حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ "یہ حضرات عید گاہ جاتے وقت تکبیریں کہا کرتے تھے۔" اس تکبیر کے الفاظ یہ ہیں:۔

"اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ۔" (دار قطنی)

۵۔ عید گاہ پیدل جانا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وضاحت سے فرماتے ہیں کہ "سنت یہ ہے کہ تم عید گاہ پیدل جاؤ۔" (ترمذی)

۶۔ عید گاہ ایک راستے سے جانا اور دوسرے سے واپس آنا۔ ترمذی اور احمد بن حبان کی حدیث میں ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عید گاہ کسی راستے سے جاتے واپسی دوسرے راستے سے فرماتے۔" اس طرزِ عمل کی بہت سی حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں حکمت اسلام کی شوکت اور قوت کے مظاہرے کی ہے۔

۷۔ طاق کھجوریں یا چھوارے کھا کر، یا پھر کوئی میٹھی چیز کھا کر عید گاہ جانا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کی صبح کو بغیر طاق کھجوریں کھائے عید گاہ تشریف نہیں لے جاتے تھے۔" (بخاری کتاب العیدین)

عام دینی کتابیں

اسلامی فقہ مکمل	مجلد	مولانا منہاج الدین مینائی	۷۰/=
آؤ دین سیکھیں		ابوسلیم محمد عبدالحیٔ	۱۶/=
اسلام کی تعلیم		" "	۸/=
دین کی باتیں		" "	۱۴/=
جمعہ کے خطبے		" "	۳۰=
دین کی خدمت		" "	۸/=
خطبات یورپ		سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	۱۶/=
دین کی حفاظت		ابوسلیم محمد عبدالحیٔؒ	۸/=
سفر سعادت	(مجلد)	امام مجدالدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی	۳۰/=
سرور عالمؐ کا شانۂ مبارک میں		علی اصغر چودھری	۲۰/=
نبیوں کے حالات		ابوسلیم محمد عبدالحیٔؒ	۶/=
گلدستۂ نبویؐ		غائص جہلمی	۱۲/=
اصحاب رسولؐ	(جن کو دنیا میں ہی جنت کی خوش خبری دیدی گئی)	(نبی احمد سہا)	۴۰/=
سراپائے رسولؐ		اعجاز الحق قدسی	۷/=
اسوۂ حسنہ	(مجلد)	حافظ امام ابن قیم	۳۵/=
امہات المومنین	(کوئز سوال جواب کی روشنی میں)	علی اصغر چودھری	۸/=
خلفائے راشدین	(" " ")	" "	۱۶/=
صحابۂ کرام	(کوئز)	" "	۱۰/=

مکتبہ الحسنات (دہلی)

۱۴۲۲- کوچہ چیلان دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ فون ۲۷۱۸۴۵

RAMZAN-UL-MUBARAK



الحسنات بکس (پ) لمیٹڈ
AL HASANAT BOOKS (PVT) LTD
2241, Kucha Chellan, Darya Ganj, New Delhi - 110002
Tel. : 91-11-2327 1845, Fax : 91-11-5156 3256
e-mail : alhasanatbooks@rediffmail.com,faisalfaheem@rediffmail.com

ISBN 81-85729-76-X
9 798185 729762
Rs. 20/-